اخبار الرایہ

شمار نمبر 585

(04-فروری-2026)

(عربی سے ترجمہ)

خود اپنوں ہی نے گواہی دی کہ عالمی نظام ایک بہت بڑا جھوٹ ہے...2

شام کے واقعات اور سیرین ڈیموکریٹک فورسز (SDF) کا پسپائی اختیار کرنا...6

غزہ کو نو آبادی بنانے والی کونسل کے شرکاء کے لیے انتباہ..15

اے مسلمانوں! کیا تم اپنی قوت کے اسباب، یعنی اپنے دین اور اپنی خلافت کی طرف واپس نہیں لوٹو گے ؟...........17

نارملائزیشن اور سرمایہ کاری: مشرقِ وسطیٰ میں نئی امریکی پالیسی کے دو بازو (پہلا حصہ)............................19

66 بین الاقوامی تنظیموں سے امریکہ کی دستبرداری: محرکات اور نتائج...23

اسلام کفر کے نظاموں کو گرانے کے لیے آرہا ہے، ان کی زینت بننے کے لیے نہیں....................................27

جب کرپشن (بدعنوانی) نظامِ حکومت کا ایک آلہ بن جائے، نہ کہ محض ایک انتظامی خرابی!...........................28

یہودیوں کے ساتھ نارملائزیشن (تعلقات کی بحالی) کی راہ ہموار کرنے میں اردوغان کے ترکی کا عملی کردار..........33

جزیرہ گرین لینڈ اور ٹرانس ایٹلانٹک تعلقات...36

ازبک حکومت غزہ پر قبضے کے لیے بنائی گئی کونسل میں شامل ہو گئی...40

ان شاء اللہ جلد ہی قیامِ خلافت کی صورت میں امتِ مسلمہ کا کیا مستقبل ہو گا؟....................................42

امتِ مسلمہ کے اتحاد کے عوامل اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں، اور ان شاء اللہ وہ وقت دور نہیں جب یہ امت دوبارہ اپنے معاملات کی باگ ڈور سنبھال لے گی اور اپنی اس تحریک سے پوری دنیا کو حیران کر دے گی جو جابر حکمرانوں کے تختوں کو ہلا کر رکھ دے گی، بلکہ انہیں منہدم کر دے گی اور ان کے ان نظاموں کا مکمل خاتمہ کر دے گی جن سے امت نے کبھی خیر کا دن نہیں دیکھا۔ یہ امت عزت و وقار کی وہ ریاست قائم کرے گی جو اللہ عزوجل کا وعدہ اور اس کے رسول ﷺ کی بشارت ہے؛ یعنی منہاجِ نبوت پر دوسری خلافتِ راشدہ۔ ﴿وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ * بِنَصْرِ اللَّهِ يَنْصُرُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ﴾ "اور اس دن مومن اللہ کی مدد پر خوش ہوں گے، وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے اور وہ نہایت غالب اور رحم کرنے والا ہے" (سورۃ الروم: آیات 4-5)

اداریہ

خود اپنوں ہی نے گواہی دی کہ عالمی نظام ایک بہت بڑا جھوٹ ہے

تحریر: استاد اسعد منصور

(ترجمہ)

کینیڈا کے وزیر اعظم مارک کارنی نے ان جھوٹوں کا اعتراف کر لیا ہے جن پر امریکہ کا قائم کردہ وہ عالمی نظام ٹکا ہوا ہے جس سے ان کے اپنے ملک نے بھی خوب فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے درمیانے درجے کی طاقت رکھنے والے ممالک کو متحد ہونے کی دعوت دی ہے کیونکہ ان کے بقول اب "ایک جھوٹ کے اندر جینا" مزید ممکن نہیں رہا۔ یہ اعتراف انہوں نے 21 جنوری 2026 کو سوئٹزرلینڈ کے شہر ڈیووس میں ورلڈ اکنامک فورم کے اجتماعات کے دوران ایک تاریخی خطاب میں کیا، جس میں انہوں نے حقائق کو بے نقاب کرنے والی آراء پیش کیں اور سخت تنقید کی۔

دراصل کارنی کو جس بات نے مشتعل کیا وہ ٹرمپ کا یہ قول تھا کہ "کینیڈا امریکہ کی مہربانی سے جی رہا ہے" اور اس پر حملہ کرنے اور اسے امریکہ میں ضم کرنے کی دھمکی تھی۔ ورنہ امریکہ نے اپنی پوری سیاہ تاریخ میں جو کچھ کیا، اس نے کارنی کو کبھی مشتعل نہیں کیا۔ نہ ہی اسے افغانستان میں امریکہ کے ان کرتوتوں پر غصہ آیا جہاں عالمی نظام اور بین الاقوامی قانون کے نفاذ کے نام پر 20 سال تک لاکھوں لوگوں کو قتل، زخمی اور بے گھر کیا گیا اور پورے ملک کو تباہ کر دیا گیا، حالانکہ اس کا ملک کینیڈا NATO کے صلیبی اتحاد کا رکن ہونے کے ناطے امریکہ کے ساتھ ان جرائم میں برابر کا شریک تھا۔ اسی طرح امریکہ نے عراق، صومالیہ اور ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے بہت سے ممالک میں جو کچھ کیا، اس پر بھی کارنی کو کوئی اعتراض نہیں ہوا۔

بلکہ اس نے تو اعتراف کیا کہ ان کا ملک اس امریکہ کا شریکِ کار رہا ہے جو عالمی نظام کی قیادت کر رہا تھا۔ اس نے کہا: "اسی لیے ہم نے کھڑکی پر بورڈ سجایا، ان رسومات (بین الاقوامی قانون) میں حصہ لیا اور بیانیے اور حقیقت کے درمیان موجود خلیج کی طرف اشارہ کرنے سے بڑی حد تک گریز کیا، لیکن اب یہ سودا مزید کارگر نہیں رہا"۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس

چھری کو امریکہ نے تھام رکھا تھا اور جس کینیڈین ہاتھ نے اسے سہارا دیا تھا، اب وہ ٹرمپ کے بیانات اور دھمکیوں کی صورت میں خود کینیڈا کی شہ رگ تک پہنچ چکی ہے، ورنہ یہ سودا اب بھی کارگر ہی رہتا! اس نے یہ بھی مانا کہ ان کا ملک امریکہ کے پیچھے اس لیے چلا کیونکہ اسے دنیا پر امریکی غلبے سے فائدہ پہنچ رہا تھا۔ اس نے کہا: "امریکی بالادستی نے خاص طور پر عوامی مفادات کی فراہمی، کھلی راہداریوں، مستحکم مالیاتی نظام، اجتماعی سلامتی اور تنازعات کے حل کے ڈھانچے کی حمایت میں مدد کی"۔ یقیناً یہ سب امریکہ اور کینیڈا جیسے اس کے اتحادیوں کے مفاد میں تھا، جس کی قیمت کمزور ممالک نے چکائی۔

اس کے ساتھ ہی وہ یہ اعتراف بھی کرتے ہیں کہ وہ آزادی، انسانی حقوق اور قوموں کی مدد سے متعلق اپنے بیانات میں منافقت سے کام لیتے ہیں، جبکہ حقیقت ان کے دعوؤں کو جھٹلاتی ہے، اور وہ حقیقت انسانی وقار اور حقوق کی پامالی اور قوموں کی دولت کی چوری ہے۔ کیونکہ ان کا ملک کینیڈا 'گروپ آف سیون' (G7) جیسی استعماری تنظیم کا رکن ہے جو دنیا کے مالیاتی اور سیاسی مسائل پر اس لیے بحث کرتی ہے تاکہ اپنے فیصلے دوسرے ممالک پر مسلط کر سکے۔

پس یہ سرمایہ دار لٹیرے ہیں، جب ان کے آپس میں اختلافات ہوتے ہیں تو یہ ایک دوسرے کو رسوا کرتے ہیں، نہ کہ اس لیے کہ وہ سچے ہیں یا انہیں کمزور ممالک کی کوئی فکر ہے۔ بلکہ کارنی نے درمیانے درجے کی طاقت رکھنے والے ممالک کی طرف رخ کیا اور انہیں اپنے ساتھ متحد ہونے کی دعوت دی تاکہ وہ امریکہ کے خلاف ان کی مدد کریں جو ان کے ملک کو دھمکی دے رہا ہے۔ انہوں نے کہا: "درمیانے درجے کے ممالک کو مل کر حرکت کرنی چاہیے، کیونکہ اگر وہ میز پر نہیں بیٹھیں گے تو وہ کھانے کے مینو (menu) پر ہوں گے"، یعنی امریکہ انہیں ہڑپ کر جائے گا۔

اس نے اس بات کی بھی تصدیق کی کہ ان کا ملک قوموں پر ہونے والے ظلم میں شریک رہا، جب اس نے اس عالمی نظام کی جھوٹ اور بدعنوانی کا اعتراف کیا جس کا وہ خود حصہ رہے ہیں۔ اس نے کہا: "ہم جانتے تھے کہ قواعد و ضوابط پر مبنی عالمی نظام کی کہانی جزوی طور پر جھوٹی تھی، اور طاقتور ممالک جب اپنی سہولت دیکھتے تھے تو خود کو ان سے مستثنیٰ کر لیتے تھے، اور تجارتی قوانین کو غیر مساوی طور پر نافذ کیا جاتا تھا۔ ہمیں ادراک تھا کہ بین الاقوامی قانون کا اطلاق ملزم یا متاثرہ شخص کی شناخت کی بنیاد پر مختلف سختی کے ساتھ کیا جاتا تھا"۔

چنانچہ جب ملزم کوئی کمزور یا اسلامی ملک ہوتا ہے تو بین الاقوامی قانون کا اطلاق اس پر پوری سختی سے کیا جاتا ہے، جیسا کہ افغانستان، عراق، صومالیہ، سوڈان اور دیگر ممالک کے معاملے میں ہوا۔

یہ بین الاقوامی نظام دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکہ نے قائم کیا اور اسے اقوام متحدہ، سلامتی کونسل اور مختلف شعبوں میں کئی بین الاقوامی تنظیموں کی صورت میں ڈھالا تاکہ وہ دنیا پر اپنی بالادستی قائم کرسکے، اس پر اپنا اقتدار مسلط کرسکے اور اس کے وسائل لوٹ سکے۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ اس نظام کو نئے سرے سے اس طرح ترتیب دینا چاہتا ہے جس میں اس کی واحد اجارہ داری ہو، اور وہ شریک ممالک کو اپنا تابع اور اپنے فیصلوں کا پابند بنا دے جن کا کام صرف تعمیل کرنا اور امریکہ کو خدمات فراہم کرنا ہو۔ اسی لیے اس نے 'غزہ کے لیے امن کونسل' قائم کی اور اب اسے اپنی سربراہی میں ایک ایسی بین الاقوامی کونسل بنانے پر کام شروع کر دیا ہے جس میں کسی کو 'ویٹو' کا حق حاصل نہ ہو، جو سلامتی کونسل کا متبادل ہو گی جس میں پانچ بڑی طاقتوں کے پاس ویٹو کا حق ہے، جس کی وجہ سے نہ تو کوئی ان کے خلاف کوئی فیصلہ کر سکتا ہے اور نہ ہی امریکہ ان کی موافقت کے بغیر کوئی قرارداد منظور کروا سکتا ہے۔

مارک کارنی نے اعتراف کیا کہ یہ عالمی نظام جھوٹے قواعد پر مبنی ہے، لیکن یہ جھوٹ محض 'جزوی' نہیں ہے جیسا کہ اس نے کہا، بلکہ یہ اپنی بنیاد سے ہی مکمل طور پر جھوٹا ہے، کیونکہ اسے یورپی عیسائی ریاستوں نے 1648 میں 'معاہدہ ویسٹ فیلیا' کے موقع پر اپنے باہمی تعلقات کی تنظیم اور اسلامی ریاست کے سامنے ڈٹ جانے کے لیے وضع کیا تھا۔ انہوں نے اپنے میں سے ہی ایک 'عالمی برادری' ایجاد کی تاکہ ان کے بنائے ہوئے بین الاقوامی قانون کا نفاذ کیا جا سکے۔ لیکن پہلی جنگ عظیم کے ساتھ ہی یہ نظام بکھر گیا، جس کے بعد 1919 میں 'انجمن اقوام' (لیگ آف نیشنز) قائم کی گئی۔ یہ انجمن بھی ایک دہائی سے کچھ زیادہ عرصے بعد ناکام ہو گئی کیونکہ طاقتور ممالک بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کرنے لگے اور دوسرے ممالک پر قبضے شروع کر دیے، یہاں تک کہ دوسری جنگ عظیم چھڑ گئی۔ اس جنگ کے بعد امریکہ اور برطانیہ نے اقوام متحدہ اور اس کے ذیلی ادارے سلامتی کونسل کے قیام کا اعلان کیا تاکہ مغلوب اور کمزور ممالک پر بین الاقوامی قانون نافذ کیا جا سکے۔

اسلامی ممالک میں موجود 'عملیت پسند' (Pragmatists) اور مغرب کے مرعوب لوگ عرصہ دراز سے اس دھوکے کا شکار ہیں، وہ 'عالمی نظام'، 'عالمی برادری' اور 'بین الاقوامی قانون' کی راگنی الاپتے رہتے ہیں، اپنے مسائل کے حل کے لیے اسی کی طرف دوڑتے ہیں، اور یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ یہ نظام ان کے ساتھ انصاف کرے گا، یا فلسطین کا کوئی غصب شدہ ٹکڑا انہیں واپس دلا دے گا، یا کم از کم نام کا ہی سہی، ایک فلسطینی ریاست قائم کر دے گا! حالانکہ یہ حقیقت سب کے سامنے ہے کہ یہودی وجود نے ان سب باتوں کی کبھی پرواہ نہیں کی اور امریکہ کی حمایت کے بل بوتے پر اس نظام سے

سرکشی اختیار کی۔ اس نے غزہ میں نسل کشی کی اور بھوک کو بطور ہتھیار استعمال کرنے کی پالیسی اپنائی، جبکہ کینیڈا نے اسے اسلحے اور مال سے مدد فراہم کی۔

اب یہ بین الاقوامی نظام لڑکھڑا رہا ہے، اس کا فساد اور جھوٹ عیاں ہو چکا ہے، اور بہت سے ممالک اس کے ظلم اور زبردستی کا رونا رو رہے ہیں، کیونکہ یہ نظام طاقتوروں کو کمزوروں پر مسلط ہونے کی کھلی چھوٹ دیتا ہے اور انہیں کچل ڈالتا ہے۔ اب یہ نظر آ رہا ہے کہ جنہوں نے یہ عالمی نظام تعمیر کیا تھا، وہ خود ہی اپنے ہاتھوں سے اسے مسمار کر رہے ہیں۔ اگر ان کا یہ ڈھانچہ گر جاتا ہے، تو یہ پوری انسانیت کے لیے اس 'بہت بڑے جھوٹ' اور اس کے شرور سے نجات پانے کی ایک خوشخبری ہوگی۔

حزب التحریر کی بصیرت کتنی درست اور گہری تھی جس نے اپنی کتاب "سیاسی مفاہیم" میں یہ واضح کر دیا تھا کہ دنیا کی بدبختی کے اسباب میں سے ایک اس نام نہاد 'بین الاقوامی قانون' کا وجود ہے، جس کا وجود اصولی طور پر ہی غلط ہے کیونکہ قانون 'حاکم' کا حکم ہوتا ہے، جس کے لیے ایک ایسی عالمی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے جو اسے اپنے مفادات کے مطابق دوسروں پر نافذ کرے۔ اسی طرح وہ 'عالمی برادری' جس کی بنیاد باطل اور قواعد جھوٹے ہیں، اور بڑی طاقتوں کا وہ اتحاد یا گٹھ جوڑ جو امن اور دیگر ممالک کے لیے خطرہ ہے، سب بدبختی کے اسباب ہیں۔ حزب نے واضح کیا کہ دنیا میں حقیقی خوشحالی لانے کے لیے ان اسباب کا خاتمہ ضروری ہے اور اس کے لیے ایک واضح اور درست نقشہ راہ (Roadmap) پیش کیا۔ حزب نے یہ بھی بتایا کہ فی الوقت دنیا میں کوئی ایسی ریاست موجود نہیں جو دنیا کی قیادت کرنے اور اسے ان برائیوں سے نجات دلانے کی اہل ہو، کیونکہ یہ سب اس نظام میں رنگے ہوئے ہیں۔

صرف 'خلافت راشدہ' ہی وہ ریاست ہے جو دنیا کو اس بدبختی، اس عظیم جھوٹ اور اس کے شرور سے نجات دلانے کی اہل ہے۔ کیونکہ اس کی آئیڈیالوجی (مبدأ) برحق ہے، اور اس نے 13 صدیوں تک دنیا پر حکمرانی کرتے ہوئے قوموں کو ظلم اور بدحالی سے نجات دلانے کے لیے کام کیا، عدل قائم کیا، انسانی وقار کی حفاظت کی، اسے اس کے حقوق دیے اور اس کی ضروریات پوری کیں۔ خلافت نے نہ کبھی کسی ملک کو اپنی نوآبادی (Colony) بنایا اور نہ ہی کسی کی دولت لوٹی، بلکہ اسے ان کے لیے محفوظ رکھا۔ پس اسی (خلافت) کے لیے تگ و دو کرنا حق ہے، اور اس کے لیے کام کرنے والوں کی نصرت کرنا حق ہے، یہاں تک کہ غیر مسلموں پر بھی یہ لازم ہے، کیونکہ یہ انہیں ان شرپسندوں سے نجات دلائے گی جو یہ سمجھتے ہیں کہ حق صرف طاقتور کا ہے اور کمزور پر صرف اطاعت اور غلامی لازم ہے، کتنا برا ہے وہ فیصلہ جو یہ کرتے ہیں!

شام کے واقعات اور سیرین ڈیموکریٹک فورسز (SDF) کا پسپائی اختیار کرنا

(ترجمہ)

سوال:

شام کے شمال مشرق میں واقعات بڑی تیزی سے رونما ہو رہے ہیں، جہاں سیرین ڈیموکریٹک فورسز (SDF) تیزی سے ان علاقوں کا کنٹرول کھو رہی ہیں جن پر اب شامی حکومت قابض ہو رہی ہے۔ یہ سب کیسے ہوا؟ اسے کس طرح سمجھا جانا چاہیے، جبکہ شامی حکومت اور SDF دونوں ہی امریکی ایجنٹ ہیں؟ اور شامی حکومت کو ان علاقوں پر قبضہ کرنے کے لیے واضح امریکی گرین سگنل ملنے کے باوجود، ٹرمپ انتظامیہ شام یا اس کے گردونواح میں کیا منصوبہ بندی کر رہی ہے؟

جواب:

مندرجہ بالا سوالات کے جوابات کی وضاحت کے لیے ہم درج ذیل نکات کا جائزہ لیں گے:

پہلا: شام میں SDF کے لیے امریکہ کی حمایت کے مراحل

1. سیرین ڈیموکریٹک فورسز (SDF) ایک وسیع اتحاد ہے جو اکتوبر 2015 میں داعش کے خلاف لڑنے کے مقصد سے قائم کیا گیا تھا۔ یہ کرد، عرب، سریانی، آرمینیائی اور ترکمان جنگجوؤں پر مشتمل ہے۔ SDF کا سب سے بڑا حصہ 'پیپلز پروٹیکشن یونٹس' (YPG) اور 'ویمن پروٹیکشن یونٹس' (YPJ) ہیں، جو خود ساختہ خود مختار علاقوں 'روجاوا' کی سیکورٹی اور دفاع کے ذمہ دار ہیں۔

امریکہ نے 2015 میں SDF کے قیام کے وقت سے ہی اس کی حمایت تیز کر دی تھی، اور یہ حمایت 2014 میں شام میں امریکی مداخلت سے شروع ہوئی تھی، جو روسی مداخلت سے بھی پہلے کی بات ہے۔ امریکی افواج نے SDF کو فضائی تحفظ، وسیع مالی امداد اور اسلحہ فراہم کیا۔ SDF کے لیے امریکہ کی وابستگی اس حد تک تھی کہ اس نے فروری 2018 میں فرات کے مشرق عبور کرنے کی کوشش کرنے والے سینکڑوں روسی ویگنر فورسز کے اہلکاروں کو ہلاک کر دیا۔ امریکہ نے SDF کو کمزور کرنے کی تمام ترک کوششوں اور بیانات کو بھی روکے رکھا۔

اس طرح، SDF کے لیے امریکی حمایت میں اس کے آغاز سے ہی فضائی تحفظ، سیاسی پشت پناہی، مالی و اسلحہ کی امداد، اور دریائے فرات کے ساتھ زرخیز زمینوں، تیل و گیس کے کنوؤں اور پاور اسٹیشنوں پر اس کے کنٹرول کو آسان بنانا شامل تھا۔ امریکہ نے شمال مشرقی شام میں اس پالیسی کے خلاف ترکی کی مخالفت کی مزاحمت کی۔ یہ سب امریکہ کی جانب سے ان آلات کی تیاری کا حصہ تھا جو اسلام کے خلاف اس وقت استعمال کیے جائیں جب دمشق سے خلافتِ راشدہ کا ظہور ہو۔

2. **آج ٹرمپ، احمد الشرع کی حکومت کو خطے میں امریکی مفادات حاصل کرنے کے لیے زیادہ اہل سمجھتا ہے**، جن میں سے دو مقاصد سب سے اہم ہیں: شام میں اسلامی نظامِ حکومت کو دور رکھنا، اور شام و فلسطین میں یہودی وجود کے مطالبات کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، اور روزانہ کے حملوں کے باوجود اس کے خلاف مزاحمت سے گریز کرنا۔

چنانچہ، ٹرمپ اور اس کے عہدداروں کے بیانات نے واضح طور پر اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ SDF کا کردار ختم ہو چکا ہے اور خطے میں امریکی مفادات کی خدمت کے لیے شامی حکومت اس کی جگہ لے رہی ہے۔ یہ اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی، بلکہ شام کے لیے امریکی ایلچی ٹام باراک نے اپنے دوروں کے دوران، اور ترک و شامی حکام نے بھی اسے کھلے عام بیان کیا ہے۔

الف۔ ٹام باراک نے بیان دیا کہ داعش کے خلاف لڑنے والی بنیادی قوت کے طور پر SDF کا اصل مقصد زمین پر ختم ہو چکا ہے، اور اب دمشق سیکورٹی کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے اہل ہے، بشمول داعش کے حراستی مراکز کا کنٹرول (الجزیرہ نیٹ، 21/1/2026)۔

ایکس (X) پلیٹ فارم پر اپنے ایک اور بیان میں براک نے کہا کہ صورتحال میں بنیادی تبدیلی آچکی ہے، اور یہ چیز امریکہ اور SDF کے مابین شراکت داری کے جواز کو بدل رہی ہے کیونکہ داعش کے خلاف میدان میں ایک بنیادی قوت کے طور پر SDF کے کردار کی مدت ختم ہو چکی ہے۔ دمشق اب سیکورٹی کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے تیار اور خواہش مند ہے، جس میں تنظیم کی جیلوں اور کیمپوں کا کنٹرول سنبھالنا بھی شامل ہے۔ (بی بی سی، 20/01/2026)۔

اس نے ایکس (X) پلیٹ فارم پر اپنے پیج پر ایک طویل بلاگ پوسٹ میں بھی یہ بیان دیا، جس کا ترجمہ شام میں امریکی سفارت خانے نے کیا، کہ آج صورتحال یکسر تبدیل ہو چکی ہے اور اب شام ایک ایسی مرکزی حکومت کا حامل ہے جسے تسلیم کر لیا گیا ہے اور وہ داعش کو شکست دینے کے بین الاقوامی اتحاد میں (2025 کے اواخر میں 90ویں رکن کے طور پر) شامل ہو چکا ہے۔ SDF کے شامی فوج میں انضمام کے حوالے سے اس نے مزید کہا کہ امریکی سفارت کاری کی حمایت یافتہ یہ شمولیت، ایک تسلیم شدہ شامی ریاست کے فریم ورک کے اندر کردوں کے لیے مستقل حقوق اور مستحکم سیکورٹی کو یقینی بنانے کا اب تک کا سب سے بڑا موقع ہے۔ (سی این این عربی، 21/1/2026)۔

ب۔ ترک صدر رجب طیب ایردوان نے بدھ کو کہا کہ شمالی شام میں کرد فورسز کو اپنے ہتھیار ڈال دینے چاہئیں اور فوری طور پر تحلیل ہو جانا چاہیے تاکہ مزید خونریزی کے بغیر حل تک پہنچا جا سکے، اس کے بعد جب دمشق نے انہیں حسکہ کو مرکزی ریاست میں ضم کرنے کا منصوبہ پیش کرنے کے لیے چار دن کی مہلت دی۔ (الجزیرہ نیٹ، 21/1/2026)۔

ج۔ شامی ایوانِ صدر نے پیر 19/01/2026 کو اعلان کیا کہ عبوری شامی صدر احمد الشرع نے امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ سے ٹیلی فون پر بات کی۔ سانا (SANA) کے شائع کردہ بیان کے مطابق، دونوں صدور نے شام کی علاقائی سالمیت اور آزادی کے تحفظ کی اہمیت، استحکام کے حصول کی کوششوں کی حمایت اور شامی ریاست کے فریم ورک کے اندر کرد عوام کے حقوق اور تحفظ کی ضمانت کی ضرورت پر زور دیا۔ (سی این این عربی، 19/1/2026)۔

دوسرا: ان سب باتوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ امریکہ نے شامی صدر احمد الشرع کو SDF کے خاتمے کا گرین سگنل دے دیا ہے۔ امریکہ اب اپنی نیت نہیں چھپاتا اور نہ ہی سفارتی زبان استعمال کرنے کی زحمت کرتا ہے۔ وہ کھلم کھلا اعلان

کرتا ہے کہ "دہشت گردی" کے خلاف لڑنے کے لیے امریکی آلے کے طور پر SDF کا کردار ختم ہو چکا ہے، اور اب امریکہ ایک بڑے آلے یعنی احمد الشرع کی حکومت پر انحصار کرنا چاہتا ہے۔ دونوں ہی امریکی آلات ہیں، اور امریکہ اپنی مرضی سے اپنے آلات بدلتا رہتا ہے۔ **یہ پیش رفت، زمین پر موجود حقائق کے ساتھ مل کر کئی نتائج کی طرف اشارہ کرتی ہے:**

1. ایک ایجنٹ کی جگہ دوسرے کو لانا: شامی انقلاب کے دوران، جس نے امریکہ کو تھکا دیا اور "اوباما کے بال سفید کر دیے"، امریکہ نے اپنے ایجنٹ بشار الاسد، جس کے خلاف شامی عوام نے بغاوت کی تھی، کی جگہ لینے کے لیے ایک مضبوط ایجنٹ کی تلاش کی۔ 2025/7/26 کے ایک جواب میں یہ بتایا گیا تھا کہ شام میں امریکہ کا منصوبہ ایک بنیادی اصول پر مبنی ہے: ایک ایجنٹ کی جگہ دوسرے کو لانا۔ اس مقصد کے لیے ترکی کو بشار الاسد کی حکومت کو ختم کرنے اور امریکہ کی وفادار نئی حکومت بنانے کا گرین سگنل دیا گیا تھا۔

ترکی اور اس کے انٹیلی جنس اداروں نے یہ امریکی کام اپنے ذمے لیا اور احمد الشرع کو تیار کیا، جو پہلے الجولانی کے نام سے جانا جاتا تھا۔ بائیڈن انتظامیہ کے خاتمے سے چند ماہ قبل، امریکہ نے ترکی کو شام نئے امریکی ایجنٹ کے حوالے کرنے کے آپریشن کی قیادت کرنے کی اجازت دی۔ ترکی نے، امریکہ کی طرف سے، ایران اور روس سے رابطہ کیا تاکہ شام میں ان کی افواج کو غیر جانبدار کیا جا سکے، اور امریکہ نے بشار الاسد سے ملک حوالے کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس طرح نئے ایجنٹ نے پرانے کی جگہ لے لی، جبکہ ترکی امریکہ اور اس کے درمیان رابطے کا مرکزی ذریعہ رہا۔

2. پھر امریکہ نے اپنے نئے ایجنٹ سے مزید "ممنوعہ کاموں" کے ارتکاب کا مطالبہ کیا، اور اس نے ترک دباؤ میں ان کی تعمیل کی تصدیق کی۔ الشرع نے توحید والے پرچم کو ترک کر دیا اور اس کی جگہ سیکولر جھنڈا لگا دیا، بشار الاسد کے باقی ماندہ لوگوں کے لیے عام معافی جاری کی، جبکہ ان نوجوانوں کو قید میں رکھا جو خلافت کے قیام کے لیے کام کر رہے ہیں، جس کی پیشین گوئی اللہ کے رسول ﷺ نے اس جابرانہ دور کے بعد کی تھی: **«.. ثُمَّ تَكُونُ مُلْكاً جَبْرِيَّةً فَتَكُونُ مَا شَاءَ اللهُ أَنْ تَكُونَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا إِذَا شَاءَ أَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُونُ خِلَافَةً عَلَى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ. ثُمَّ سَكَتَ»**
"...پھر جبر کا دور ہو گا، اور وہ تب تک رہے گا جب تک اللہ چاہے گا، پھر جب وہ چاہے گا اسے ختم کر دے گا، پھر نبوت کے طریقے پر خلافت ہو گی، پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے"

الشرع نے اسکولوں میں قرآن کی کلاسوں کے گھنٹے کم کر دیے، اور ٹرمپ نے اس سے مطالبہ کیا کہ وہ یہودی وجود کے بار بار اور شدید حملوں کا جواب نہ دے، یہاں تک کہ ان حملوں کا بھی نہیں جو خود دمشق کو نشانہ بناتے ہیں۔ پھر ٹرمپ نے یہودی وجود کے ساتھ مذاکرات کا مطالبہ کیا، جس کے نتیجے میں وزیر خارجہ الشیبانی نے اللہ جَلَّ جَلَالُہُ، اس کے رسول ﷺ یا مومنین بالخصوص غزہ کے لوگوں سے شرم یا خوف محسوس کیے بغیر کئی دور کے مذاکرات کیے۔

ان مذاکرات کے دوران احمد الشرع کی حکومت کے مطالبات اتنے معمولی تھے کہ مجرم بشار نے بھی 2008 کے مذاکرات میں، جو شامی انقلاب سے پہلے ترکی کی سرپرستی میں ہوئے تھے، اس سے کہیں زیادہ مطالبات کیے تھے۔ ان تمام "ممنوعات" کو قبول کرنے کے بعد، امریکہ نے انٹیلی جنس اور ترک ذرائع کے علاوہ اس کے ساتھ براہ راست سیاسی لائن کھول دی۔ پہلا سیاسی قدم 2025/5/14 کو ریاض میں امریکی ایجنٹ محمد بن سلمان اور احمد الشرع کی ملاقات تھی۔ یہ ذرائع مزید وسیع ہوئے، احمد الشرع کو امریکی صدر سے تعریف ملی، اور یہ سلسلہ 2025/11/11 کو وائٹ ہاؤس میں ٹرمپ کے ساتھ ان کی ملاقات پر ختم ہوا، اگرچہ یہ ملاقات پچھلے دروازے سے ہوئی اور اس میں کوئی سرکاری تقریب نہیں تھی۔ ٹرمپ نے کہا کہ وہ احمد الشرع کے ساتھ "اتفاقِ رائے" رکھتے ہیں اور واشنگٹن شام کو کامیاب بنانے کے لیے ہر ممکن کوشش کرے گا(RT، 2025/11/11)۔

3-ترکی کے وزیر خارجہ ہاکان فیدان نے وائٹ ہاؤس میں شام کے موجودہ مسائل سے نکلنے کے طریقوں پر اس وقت تبادلہ خیال کیا جب شامی صدر احمد الشرع واشنگٹن کے دورے پر تھے اور انہوں نے امریکی صدر ٹرمپ سے ملاقات کی۔ وزیر خارجہ فیدان نے وائٹ ہاؤس میں امریکی وزیر خارجہ روبیو، امریکی صدر کے خصوصی ایلچی ویٹکوف، شام کے لیے امریکی ایلچی تھامس براک اور شامی وزیر خارجہ اسعد الشیبانی کے ساتھ ہونے والے مذاکرات کا اعلان کیا، اور بعد ازاں اس اجلاس میں امریکی نائب صدر جے ڈی وانس بھی شریک ہوئے۔ بیان میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ شرکاء نے اجلاس کے دوران شام کے موجودہ مسائل سے نکلنے کے ممکنہ حل پر بحث کی(آر ٹی، 2025/11/11)۔

4. اس عرصے کے دوران، امریکہ نے بتدریج شام پر سے پابندیاں اٹھائیں، تاکہ ہر مرحلے میں اس بات کا اطمینان کر سکے کہ احمد الشرع خود کو امریکہ کے ایک وفادار ایجنٹ کے طور پر ثابت کر رہے ہیں، اور اسی مقصد کے تحت شام داعش کے خلاف لڑنے والے عالمی اتحاد میں شامل ہو گیا: [شام اس عالمی اتحاد میں شامل ہو گیا جو 2014 میں امریکہ کی قیادت میں قائم کیا گیا تھا، اور دمشق میں امریکی سفارت خانے نے منگل 11 نومبر 2025 کو سماجی رابطے کی ویب سائٹ "ایکس"

(X) پر ایک تحریر کے ذریعے شام کی اس عالمی اتحاد میں شمولیت کا اعلان کیا، جس کے بعد شام باضابطہ طور پر اس اتحاد کا 90واں رکن بن گیا ہے (انادولو، 12/11/2025)]۔ اس کے بعد شام پر سے امریکی پابندیاں اٹھالی گئیں [امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے 'قیصر قانون' (Caesar Act) کی منسوخی کی دستاویز پر دستخط کر دیے، جس کے تحت 2019 سے شام پر پابندیاں عائد تھیں (الجزیرہ، 19/12/2025)]۔

تیسرا: حالیہ واقعات کے دوران، SDF کی افواج کئی علاقوں سے پیچھے ہٹ گئیں۔ ان کے کمانڈر مظلوم عبدی کے بیانات کے مطابق، دریائے فرات کے مغرب سے مشرق کی طرف یہ پسپائی "دوستوں اور ثالثوں" کے مشورے پر تھی (کردستان 24 ویب سائٹ، 16/1/2026)۔ بلاشبہ امریکہ ان دوستوں اور ثالثوں میں سرِ فہرست ہے، جو 10 مارچ 2025 کو شامی حکومت کے ساتھ SDF کے معاہدے پر عمل درآمد کے لیے دباؤ ڈال رہا تھا: (شامی صدر احمد الشرع اور سیرین ڈیموکریٹک فورسز (SDF) کے کمانڈر مظلوم عبدی نے پیر کے روز ایک معاہدے پر دستخط کیے جس کے تحت کرد خود مختار انتظامیہ کے تمام سول اور فوجی اداروں کو شامی ریاست کے ڈھانچے میں ضم کر دیا جائے گا، جیسا کہ صدارتی دفتر نے اعلان کیا... العربیہ، 10/3/2025)۔

پھر شامی حکومت نے SDF کے ساتھ ایک دوسرا معاہدہ کیا، جس کے تحت SDF پیچھے ہٹے گی اور "فوری طور پر" دیر الزور اور رقہ کے صوبے حوالے کر دے گی۔ امریکی مندوب نے اس معاہدے کو سراہا اور اسے ایک اہم سنگِ میل قرار دیتے ہوئے کہا کہ امریکہ ایک متحد شام چاہتا ہے: (دمشق کے لیے امریکی مندوب ٹوم براک نے اس معاہدے کو، جس پر شامی صدر احمد الشرع اور SDF کے کمانڈر مظلوم عبدی کے دستخطوں کا اعلان کیا گیا تھا، ایک "فیصلہ کن موڑ" قرار دیا۔ براک نے "ایکس" پلیٹ فارم پر ایک پوسٹ میں کہا: "یہ معاہدہ اور جنگ بندی ایک فیصلہ کن موڑ کی نمائندگی کرتے ہیں، کیونکہ سابقہ حریف تقسیم کے بجائے شراکت داری کا انتخاب کر رہے ہیں"۔ اس نے ایک ایسے معاہدے تک پہنچنے کے لیے دونوں فریقوں کی "تعمیری" کوششوں کی تعریف کی جو "ایک متحد شام کی طرف دوبارہ سے مذاکرات اور تعاون کی راہ ہموار کرتا ہے"۔ التلفزیون العربی، 18/1/2026)

چوتھا: SDF کے شدت پسند دھڑے، بالخصوص وہ جو کردستان ورکرز پارٹی (PKK) کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں، اس (معاہدے کے) نفاذ میں اس امید پر تاخیر کر رہے تھے کہ شاید امریکی پالیسی میں ان کے لیے کوئی راہ نکل آئے۔ وہ اس بات پر اصرار کر رہے تھے کہ فوج میں SDF کا انضمام ایک مکمل اکائی یا بلاک کے طور پر ہو نہ کہ انفرادی طور پر۔

العربیہ نے 2026/1/17 کو اربیل میں ہونے والے اجلاس کے حوالے سے بتایا کہ SDF کے کمانڈر مظلوم عبدی امریکیوں کو اس بات پر قائل کرنا چاہتے تھے کہ ان کا انضمام شامی فوج میں تین ڈویژنوں کی شکل میں ہو، لیکن امریکی موقف میں ایسی کوئی گنجائش نہ تو اربیل اجلاس میں پیدا ہوئی اور نہ ہی اس سے پہلے۔ چنانچہ احمد الشرع کی حکومت نے حملہ شروع کر دیا، یعنی معاہدے کا طاقت کے ذریعے نفاذ، جس کا آغاز حلب شہر کے علاقوں سے ہوا۔ اس کے نتیجے میں SDF حکومت کے ساتھ ایک دوسرے معاہدے پر دستخط کرنے پر مجبور ہو گئی جس کے تحت اسے دیر الزور اور رقہ کے صوبے "فوری طور پر" حوالے کرنے تھے۔ امریکہ نے اس معاہدے کی تائید وحمایت کی۔ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں، SDF ہر معاہدے میں تاخیر کی کوشش کر رہی تھی، لیکن عرب قبائل کی مداخلت اور SDF پر ان کے بھرپور حملوں نے اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی، حالانکہ شام کے صدر نے قبائل سے پرامن رہنے کا مطالبہ کیا تھا۔ (الشرع نے کہا: "ہم اپنے عرب قبائل کو سکون برقرار رکھنے اور معاہدے کی شقوں پر عمل درآمد کا موقع دینے کا مشورہ دیتے ہیں"۔ ہفتے کے روز سے عرب ملیشیا سیرین ڈیموکریٹک فورسز کے ساتھ جھڑپوں میں فوج کے ساتھ شامل ہو گئی ہے... CNN عربیہ، 2026/1/19)۔

پانچواں: اس طرح واقعات نہایت تیزی سے رونما ہوئے:

1-شامی حکومت نے اعلان کیا کہ SDF کے جنگجوؤں کے انضمام کا عمل انفرادی بنیادوں پر ہو گا نہ کہ فوج اور وزارتِ داخلہ میں کسی بلاک یا فوجی دستوں کی صورت میں۔ حکومت نے آبادی کے "ثقافتی" حقوق اور شہریت دینے کے حوالے سے یقین دہانیاں بھی کرائیں۔ حکومت نے عملی طور پر رقہ اور دیر الزور کے صوبوں میں علاقوں کا کنٹرول سنبھالنا شروع کر دیا اور صوبہ حسکہ میں داخل ہو کر اپنا اقتدار قائم کر لیا، جس کے بعد SDF کے پاس صرف حسکہ پر مذاکرات کے سوا کوئی راستہ نہ بچا۔ (شامی وزارتِ دفاع نے پیر کی شام اعلان کیا کہ شامی افواج اور SDF کے درمیان رات آٹھ بجے سے چار دن کے لیے جنگ بندی ہو گی۔ یہ اعلان شامی صدارتی دفتر کی جانب سے صوبہ حسکہ کے مستقبل سے متعلق امور پر حکومت اور SDF کے درمیان ایک مشترکہ مفاہمت تک پہنچنے کے بعد سامنے آیا ہے... الجزیرہ نیٹ، 2026/1/20)۔ اس معاہدے نے SDF کو محض تسلی کے چند معمولی طریقوں کے سوا کچھ نہ دیا: (شامی خبر رساں ایجنسی (سانا) نے منگل کے روز صدارتی دفتر کے حوالے سے بتایا کہ سیرین ڈیموکریٹک فورسز کے کمانڈر مظلوم عبدی، "SDF" کی طرف سے نائب وزیرِ دفاع کے عہدے کے لیے ایک امیدوار پیش کریں گے، اس کے علاوہ حسکہ کے گورنر کے عہدے کے لیے ایک نام، پارلیمنٹ میں نمائندگی کے لیے چند نام اور شامی ریاست کے اداروں میں ملازمت کے

لیے افراد کی ایک فہرست بھی پیش کی جائے گی... CNN عربیہ، 2026/1/20)۔ صدارتی دفتر نے کہا کہ معاہدے کی صورت میں، ("شامی افواج حسکہ اور قامشلی شہروں کے مراکز میں داخل نہیں ہوں گی بلکہ ان کے مضافات میں رہیں گی، تاکہ بعد میں حسکہ اور شہر قامشلی کے پرامن انضمام کے لیے ٹائم ٹیبل اور تفصیلات پر بات چیت کی جا سکے"... بی بی سی، 2026/1/20)۔ (اور دونوں فریقوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ شامی سرکاری افواج کرد دیہاتوں میں داخل نہیں ہوں گی، بلکہ ان کی سکیورٹی کی ذمہ داری علاقے کے مقامی لوگوں پر مشتمل مقامی سکیورٹی فورسز سنبھالیں گی... CNN عربیہ، 2026/1/20)۔

2-جب امریکہ نے داعش کے قیدیوں کو ان جیلوں سے جو 'قسد' (SDF) کے قبضے میں تھیں عراق منتقل کرنے کا فیصلہ کیا، تو SDF نے امریکہ سے قیدیوں کی منتقلی مکمل ہونے تک مہلت میں اضافے کی درخواست کی اور بالکل ایسا ہی ہوا۔ (شامی وزارتِ دفاع نے داعش کے قیدیوں کو جیلوں سے نکالنے کے امریکی آپریشن کی حمایت میں سیرین ڈیموکریٹک فورسز 'قسد' کے ساتھ جنگ بندی کی مدت میں 15 دن کی توسیع کا اعلان کیا؛ وزارتِ دفاع نے اپنے 'X' اکاؤنٹ پر وضاحت کی کہ اس توسیع کا آغاز آج رات مقامی وقت کے مطابق ٹھیک گیارہ بجے سے ہوگا، اور یہ قدم قسد کی جیلوں سے داعش کے قیدیوں کو نکالنے اور انہیں عراق منتقل کرنے کی حمایت میں اٹھایا گیا ہے... الجزیرہ، 2026/1/24)۔

اس طرح قسد اور اس کے کمانڈر، امریکہ کے چھوٹے ایجنٹ مظلوم عبدی کا باب، اس کا امریکی مشن مکمل ہونے کے بعد بند کیا جا رہا ہے اور امریکہ اس کی خدمات کا خاتمہ محض ایک "معمولی ریٹائرمنٹ مراعات" یعنی یہاں وہاں چند ملازمین کی تعیناتی کے عوض کر رہا ہے، جو کہ شاید عارضی ہو کیونکہ خطے کے معاملات کو امریکہ ہی چلا رہا ہے اور اگر اس کے مفادات کا تقاضا ہو تو وہ اپنے ایجنٹ حکمرانوں کو (پالیسی میں) کسی بھی تبدیلی کا حکم دے دیتا ہے اور وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ یا شرم و حیا کے اس پر عمل درآمد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ "خبردار! کتنا برا ہے وہ فیصلہ جو یہ کرتے ہیں۔" [سورۃ النحل: آیت 59]

چھٹا: یہ بات انتہائی تکلیف دہ ہے کہ شام کے عوام کی ان تمام قربانیوں کے بعد، جو انہوں نے نظام کی تبدیلی اور اس کی جگہ اسلامی نظامِ حکومت کے قیام کی خاطر دیں، شام آج امریکہ کے اشارہِ ابرو کا تابع بن گیا ہے۔ امریکہ محض ایک بوسیدہ کرسی کے حصول کے لیے سستے داموں ضمیر خریدنے میں کامیاب رہا ہے، تاکہ یہ (احمد الشرع) اس کرسی پر براجمان رہنے اور تمام شامی علاقوں پر اپنا کنٹرول یقینی بنانے کے لیے دن رات امریکہ کی خدمت گزاری میں جتا رہے۔

چنانچہ وہ اسلام کے نفاذ اور مقبوضہ علاقوں کو آزاد کرانے کے لیے جہاد سے دستبردار ہو گیا ہے! بلکہ اس نے تو شام کو دشمن کے خلاف اس محاذِ جنگ سے ہی نکال دیا ہے جس کی جرات مفرور مجرم بشار الاسد نے بھی نہیں کی تھی!۔

شام کا حکمران یہ بھول گیا ہے یا خود کو بھلاوے میں رکھے ہوئے ہے کہ اگر امریکہ کو اس سے بہتر خدمت کرنے والا کوئی اور ایجنٹ مل گیا تو امریکہ کی گود میں بیٹھنا اسے اس کی کرسی پر باقی نہیں رکھے گا۔ اس کے لیے اپنے سے پہلوں کی مثال، بلکہ ایسی کئی مثالیں موجود ہیں جو اس حقیقت کی بھرپور تصدیق کرتی ہیں۔ کاش کہ یہ حکمران، ان کے مددگار اور حواری، جو امریکہ کے ایجنٹ ہیں، اس بات سے عبرت حاصل کریں کہ امریکہ کس طرح اپنے ایجنٹوں کو گرا دیتا ہے، ان کی خدمات لینے کے بعد انہیں اس حال میں بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے کہ ان کے خواب خاک میں مل جاتے ہیں، وہ ذرہ برابر ملال کیے بغیر اور ایک آنسو بہائے بغیر انہیں ترک کر دیتا ہے، حالانکہ وہ امریکہ کی خدمت کی خاطر زمین پر فساد برپا کرتے رہے تھے، پھر جب امریکہ کو ان سے بہتر نیا ایجنٹ مل جاتا ہے تو وہ انہیں ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتا ہے!۔ ان ایجنٹ حکمرانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بالکل سچ ہے: ﴿**فَأَذَاقَهُمُ اللَّهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ**﴾ "پھر اللہ نے انہیں دنیا کی زندگی میں بھی رسوائی کا مزہ چکھایا، اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے، کاش کہ وہ جانتے ہوتے"۔ [سورۃ الزمر: آیت 26]

8 شعبان المعظم 1447 ہجری

بمطابق 27 جنوری 2026 عیسوی

غزہ کو نو آبادی بنانے والی کونسل کے شرکاء کے لیے انتباہ

امریکی صدر ٹرمپ نے سوئٹزرلینڈ کے شہر ڈیووس میں عالمی اقتصادی فورم کے موقع پر منعقدہ ایک باضابطہ تقریب کے دوران 'امن کونسل' کے بانی منشور پر دستخط کیے، جس میں متعدد ممالک کی نمائندگی کرنے والے حکام اور رہنماؤں نے شرکت کی۔ وائٹ ہاؤس کی ترجمان کیرولین لیوٹ نے اس تقریب کے دوران، جس میں ٹرمپ کی دعوت پر کونسل میں شمولیت اختیار کرنے والے رہنماؤں کا مجمع موجود تھا، کہا: "صدر ٹرمپ صاحب، آپ کو مبارک ہو، منشور اب نافذ العمل ہو چکا ہے اور امن کونسل ایک باضابطہ بین الاقوامی تنظیم بن گئی ہے"۔

ٹرمپ کی اس کونسل کے بانی منشور پر دستخط کرنے والے ممالک یہ ہیں: اردن، سعودی عرب، قطر، بحرین، متحدہ عرب امارات، ترکیہ، مراکش، قازقستان، ہنگری، انڈونیشیا، ارجنٹائن، آرمینیا، پیراگوئے، پاکستان، کوسوو، آذربائیجان، بلغاریہ، منگولیا، ازبکستان، اور اس کے ساتھ امریکہ، جس کا صدر اس کونسل کا سربراہ ہے۔

اس کونسل کا بنیادی تصور غزہ کی پٹی کی تعمیرِ نو کی نگرانی کرنا تھا، لیکن اس کا منشور کہیں زیادہ وسیع تر فرائض کی وضاحت کرتا ہے جن میں دنیا کے مختلف حصوں میں دیگر تنازعات کے حل کی کوششیں بھی شامل ہیں۔ ٹرمپ نے کہا: "غزہ وہ جگہ ہے جہاں سے امن کونسل کا عملی آغاز ہوا ہے، میرا ماننا ہے کہ اگر ہم غزہ میں کامیاب ہو گئے تو ہم اسے دیگر معاملات تک پھیلا سکتے ہیں"۔

اس حقیقت کے پیشِ نظر، جو غزہ اور تمام ارضِ مبارک میں امریکہ اور یہودی وجود کے استعماری عزائم کو جائز قرار دینے کی کوشش ہے، حزب التحریر کے مرکزی میڈیا آفس نے ایک پریس ریلیز جاری کی ہے جس میں درج ذیل نکات پر زور دیا گیا ہے:

1- ٹرمپ اپنے تکبر اور غرور کے ساتھ دنیا پر امریکی استعمار مسلط کرنے اور اس استعمار کو ہر ممکن طریقے سے قانونی جواز فراہم کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے صرف وینزویلا کے صدر اور ان کی اہلیہ کو اغوا کرنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ وہ گرین لینڈ پر قبضہ کرنے کی دھمکیاں بھی دے رہا ہے، اور وہ کینیڈا، میکسیکو، کولمبیا، کیوبا اور دیگر ممالک کو بھی دھمکیاں دے چکا ہے۔ وہ روس یوکرین جنگ کو اس طرح ختم کرنا چاہتا ہے جس سے امریکہ کے مفادات پورے ہوں،

وہ بین الاقوامی اصولوں سے منہ موڑتا ہے اور ریاستوں کی خود مختاری کی خلاف ورزی کرتا ہے، بلکہ وہ ان میں سے اکثر کو اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے آلے کے طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے۔

2- مجرم صرف وہی نہیں جو جرم کا ارتکاب کرتا ہے، بلکہ وہ ہر شخص جو اس کے جرم میں شریک ہو وہ بھی اسی کی طرح مجرم ہے، اور ہر وہ شخص جو اسے جرم کرنے سے روکنے کی قدرت رکھتا ہو اور پھر بھی نہ روکے وہ بھی اسی کی طرح مجرم ہے، اور جو اس پر خاموش رہے وہ بھی مجرم ہے۔ لہٰذا، ہم اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ اس بانی منشور پر دستخط کرنے والے تمام ممالک، اور وہ ممالک جو بعد میں دستخط کریں گے، وہ غزہ کو امریکی نوآبادی بنانے کے جرم میں برابر کے شریک ہیں۔

3- امتِ مسلمہ اپنی یادداشت میں ان تمام لوگوں کو محفوظ رکھے گی جنہوں نے اس کے خلاف جرم کیا ہے، اور وہ وقت گزرنے کے ساتھ انہیں کبھی فراموش نہیں کرے گی۔ جب اللہ اسے اپنی نصرت سے نوازے گا اور وہ اپنی خلافت قائم کرے گی، تو وہ امریکہ اور غزہ، تمام فلسطین اور دیگر مقامات پر اس کے جرم میں شریک ہونے والے ممالک کا محاسبہ کرے گی۔

4- حزب التحریر وہ رہبر ہے جو اپنے لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتا۔ وہ امتِ مسلمہ کے بیٹوں اور اس کے اہل قوت و طاقت کے ساتھ مل کر نبوت کے نقشِ قدم پر دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے تیز قدموں کے ساتھ کوشاں ہے۔ یہ خلافت مسلم ممالک کو خلافت کے جھنڈے تلے متحد کرے گی اور مسلمانوں کی افواج کو ایک ایسی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی عظیم الشان فوج بنا دے گی جو مسلمانوں کے خلاف جرم کرنے والے ہر شخص سے بدلہ لے گی۔ پس ہم آپ کو ہماری امت کے خلاف آپ کے سنگین جرم سے خبردار کرتے ہیں، اور ہم آپ کو امت کے غضب کے انجام سے ڈراتے ہیں، لہٰذا ہوش کے ناخن لیں اور اس سے پہلے کہ آپ کو پچھتانا پڑے اس استعماری کو نسل سے نکل جائیں، اور وہ وقت ایسا ہو گا جب پچھتاوے کا موقع نہیں رہے گا، ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ﴾ "اور عنقریب ظلم کرنے والوں کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس کروٹ پلٹتے ہیں" (سورۃ الشعراء: آیت 227)

اے مسلمانو! کیا تم اپنی قوت کے اسباب، یعنی اپنے دین اور اپنی خلافت کی طرف واپس نہیں لوٹو گے؟

بیشک مصائب ہی مردوں کی آزمائش کا پیمانہ ہوتے ہیں، تو کیا اس سختی کے بعد بھی کوئی اور سختی باقی رہ گئی ہے؟! یقیناً تم ایک ایسی عظیم امت سے ہو جو ظلم وزیادتی پر خاموش ہو کر نہیں سوتی۔ اس امت نے صلیبیوں کو شکست دی، تاتاریوں کا نام ونشان مٹا دیا اور پھر دوبارہ دنیا کی سیادت و قیادت سنبھالی۔ جب صلیبیوں اور تاتاریوں کا مقصد اس امت کو بیخ و بن سے مٹا دینا تھا، تبھی یہ امت اچانک از سرِ نو بیدار ہوئی، قسطنطنیہ کو فتح کیا اور ویانا کے دروازوں پر دستک دی... اور یہ سب کچھ اس لیے ممکن ہوا کیونکہ یہ امت اپنی قوت کے اصل اسباب، یعنی اپنے دین اور اپنی خلافت کی طرف لوٹ آئی تھی؛ چنانچہ اس نے دنیا پر حکمرانی کی، جبکہ اس کے دشمن یہ گمان کر بیٹھے تھے کہ یہ ختم ہو چکی ہے، لیکن جب وہ اپنی نیند سے بیدار ہوئے تو انہوں نے اپنے گمان کو محض پریشان کن خوابوں کا مجموعہ پایا۔

تو اے مسلمانوں! کیا تم اپنی قوت کے اسباب، اپنے دین اور اپنی خلافت کی طرف واپس نہیں لوٹو گے؟ پانی اب سر سے اونچا ہو چکا ہے! پس اے بصیرت والو! عبرت حاصل کرو، اور جان لو کہ جب عذاب آتا ہے تو وہ صرف ظالم و جابر لوگوں کو ہی اپنی لپیٹ میں نہیں لیتا، بلکہ ان لوگوں کو بھی نہیں چھوڑتا جو ان کے ظلم پر خاموش رہتے ہیں؛ جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ**﴾ "اور اس فتنے (آزمائش) سے ڈرو جو تم میں سے خاص طور پر صرف انہی لوگوں کو نہیں پہنچے گا جنہوں نے ظلم کیا، اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے" (سورۃ الانفال: آیت 25)۔ اور امام احمد نے اپنی مسند میں مجاہد سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: "مجھے ہمارے ایک مولیٰ (آزاد کردہ غلام) نے بتایا کہ انہوں نے میرے دادا کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: «**إِنَّ اللَّهَ لَا يُعَذِّبُ الْعَامَّةَ بِعَمَلِ الْخَاصَّةِ، حَتَّى يَرَوْا الْمُنْكَرَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ، وَهُمْ قَادِرُونَ عَلَى أَنْ يُنْكِرُوهُ فَلَا يُنْكِرُوهُ، فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ، عَذَّبَ اللَّهُ الْخَاصَّةَ وَالْعَامَّةَ**» 'بیشک اللہ عام لوگوں کو خاص لوگوں کے عمل کی وجہ سے عذاب نہیں دیتا، یہاں تک کہ وہ اپنے درمیان منکر (برائی) کو علانیہ ہوتا دیکھیں اور اسے روکنے کی قدرت رکھنے کے باوجود نہ روکیں؛ پس جب وہ ایسا کرتے ہیں تو اللہ خاص و عام سب کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے'"۔ اور اسے ابن ابی شیبہ نے بھی اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔

(حزب التحریر کے امیر، جلیل القدر عالم شیخ عطا بن خلیل ابو الرشتہ کی ایک تحریر سے اقتباس)

نارملائزیشن اور سرمایہ کاری: مشرقِ وسطیٰ میں نئی امریکی پالیسی کے دو بازو (پہلا حصہ)

تحریر: استاد احمد القصص

(ترجمہ)

آج ہم خطے میں یعنی لبنان، فلسطین، شام اور عراق میں جن تیز رفتار تبدیلیوں کا مشاہدہ کر رہے ہیں، جہاں "طوفانِ اقصیٰ" کے بعد سے بڑے واقعات انتہائی تیزی سے رونما ہوئے ہیں، جن میں امریکہ کے پروردہ یہودی وجود کے ہاتھوں قتلِ عام، تباہی اور مجرمانہ کارروائیاں شامل ہیں، نیز لبنان میں ایرانی پارٹی (حزب اللہ) کی طاقت کو کچلنا، شام میں ایرانی اثر ورسوخ کا خاتمہ اور پھر شام میں اقتدار "ہیئت تحریر الشام" کے حوالے کرنا... ان سب کا عنوان بظاہر ایک ہی ہے۔ وہ یہ کہ امریکہ نے محسوس کر لیا ہے کہ اب اس پرانے منصوبے پر عمل درآمد کا وقت آگیا ہے جسے وہ ماضی کے مختلف مراحل

میں آزمانے کی کوشش کرتا رہا ہے، لیکن ہر بار اسے ناکامی اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا، مگر اب وہ دیکھ رہا ہے کہ موقع اس کے لیے بالکل ساز گار ہے۔

امریکہ نے جب سے برطانیہ کے پیدا کردہ یہودی وجود کی سرپرستی سنبھالی ہے، اس کا مقصد یہی رہا ہے کہ اس یہودی وجود کو خطے میں مضبوطی سے جمایا جائے اور اسے ارد گرد کی دیگر ریاستوں کے درمیان ایک فطری اور معمول کا حصہ بنا دیا جائے۔ وہ نام نہاد "مسئلہ مشرقِ وسطیٰ" یا "عرب اسرائیل تنازع" کی بساط لپیٹ کر اس یہودی وجود کے ساتھ مکمل اور ہمہ جہت تعلقات (نارملائزیشن) قائم کرنا چاہتا ہے۔ لیکن خطے کے پیچیدہ حالات اور کھلاڑیوں کی کثرت اس مقصد کی راہ میں رکاوٹ بنتے رہے، مزید برآں امریکہ دیگر ایسے معاملات میں الجھا رہا جنہیں وہ اپنی ترجیحات سمجھتا تھا، خاص طور پر عرب تحریکوں (عرب بہار) کے سالوں میں۔ تب اس کی ترجیح ان تحریکوں کو ناکام بنانا تھی، خصوصاً شام میں جہاں اس نے تیرہ سال تک موجودہ نظام کو بچائے رکھا تاکہ کسی خود مختار اسلامی ریاست کے قیام کو روکا جا سکے۔ اسی لیے 2015 سے اس نے شام اور لبنان کو ایرانی نگرانی میں دے رکھا تھا، جبکہ عراق پر اس کی نگرانی پہلے سے قائم تھی، اور شام میں روس کو بھی ایک مخصوص کردار دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ امریکہ "مشرقِ بعید" (Far East) کو زیادہ اہمیت دے رہا ہے تاکہ چین کا مقابلہ کیا جا سکے اور اس کی بڑھتی ہوئی اقتصادی طاقت کو روکا جا سکے۔ امریکہ کی نظر میں مشرقِ وسطیٰ کی اہمیت مشرقِ بعید کے مقابلے میں کم ہو گئی تھی، جہاں وہ چین کا گھیراؤ کرنے اور اس کے خلاف بین الاقوامی اور علاقائی اتحاد بنانے میں مصروف تھا۔ چنانچہ اس نے خطے میں تھوڑا پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کیا تاکہ دیگر علاقائی قوتوں، بالخصوص ایران اور پھر ترکی کو کردار دیا جائے، جبکہ وہ خود دور رہ کر معاملات کی سمت متعین کرتا رہا۔

بعد میں یہ واضح ہو گیا کہ ریپبلکن پارٹی، ڈیموکریٹ اوباما کی اس پالیسی سے مطمئن نہیں تھی۔ جیسے ہی ٹرمپ پہلی بار وائٹ ہاؤس پہنچا، اس نے ایران کے ساتھ جوہری معاہدہ ختم کر دیا اور اس کے اثر ورسوخ کو کم کرنا شروع کیا، اور اس نے ایران کی بیرونی عسکری قوت کے سربراہ قاسم سلیمانی کو کھلے عام قتل کر دیا تاکہ خطے کے معاملات براہِ راست اپنے ہاتھ میں لے لے۔ لیکن اس کے منصوبے ناکام ہو گئے اور وہ اگلے انتخابات ہار گیا، جس کے بعد ڈیموکریٹس نے واپس آکر ایران کے ساتھ تعلقات کو کسی حد تک بحال کیا، جس سے خطے میں تبدیلی کا عمل سست پڑ گیا۔ تاہم "طوفانِ اقصیٰ" کے بعد یہ بات انتہائی قابلِ توجہ رہی کہ ڈیموکریٹ صدر بائیڈن نے اپنے دورِ اقتدار کے آخری ایام میں خطے سے ایرانی اثر ورسوخ ختم کرنے کے منصوبے پر تیزی سے عمل کا فیصلہ کیا۔ لبنانی ایرانی پارٹی کے ہزاروں جنگجوؤں کے خلاف دھماکے اور اس کی پہلی اور دوسری صف کی تقریباً تمام قیادت کی ہلاکتیں اسی کے دور میں ہوئیں۔ یہ سب انتخابات سے پہلے ہوا،

اور اس سے پہلے کہ انتخابات میں ٹرمپ کی جیت واضح ہوتی، اور پھر ٹرمپ اقتدار میں آیا اور اس مشن کو مکمل کرنے کے لیے تیزی سے آگے بڑھا۔

ٹرمپ کیا چاہتا ہے؟ سادہ سی بات ہے کہ ٹرمپ اور مجموعی طور پر دیگر تمام امریکی سیاسی حلقے اب اس بات پر متفق ہو چکے ہیں کہ خطے کا کنٹرول براہِ راست سنبھالنا ضروری ہے۔ اب امریکہ مشرقِ عربی کے خطے پر کسی کو اپنی نیابت یا نگرانی دینے کے حق میں نہیں ہے، بلکہ وہ لبنان، عراق، شام اور پورے خطے میں ایسے حکمران لانا چاہتا ہے جو براہِ راست اس کے تابع ہوں۔ وہ فلسطین اور خطے میں یہودی وجود کے ساتھ جاری تنازع کو ختم کرنا چاہتا ہے تاکہ اس خطے میں اس کی برتری کو مستحکم کیا جاسکے۔

آخر کیا وجہ ہے کہ امریکہ نے اب یہ رخ اختیار کیا ہے؟ دراصل مشرقِ عربی کے حوالے سے اس کے نظریے میں تبدیلی آچکی ہے۔ اب وہ اسے ایک ایسی سرزمین کے طور پر دیکھ رہا ہے جو سرمایہ کاری کے لحاظ سے انتہائی نفع بخش ہے۔ اس خطے کے بارے میں امریکہ کا نظریہ اب ویسا ہی ہو گیا ہے جیسا دہائیوں سے خلیجی ممالک کے بارے میں رہا ہے، یعنی ایک ایسی جگہ جہاں سرمایہ کاری کی جائے، کیونکہ یہاں گیس کے بہت بڑے ذخائر دریافت ہونے کی توقع ہے جن کی معاشی قیمت تو بہت زیادہ ہے ہی، لیکن ان کی اسٹریٹجک اہمیت بھی کسی طور معاشی قیمت سے کم نہیں ہے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ مشرقِ عربی کی گیس اور قطر کی گیس (جسے قطر سے شروع ہو کر سعودی عرب، بلادِ شام اور ترکی کے راستے یورپ تک پہنچنے والی مجوزہ پائپ لائن کے ذریعے فراہم کیا جانا ہے) روسی گیس کا متبادل بن جائے۔ اس روسی گیس کو امریکہ نے روس یوکرین جنگ بھڑکا کر "بوڑھے براعظم" (یورپ) کے لیے بند کر دیا ہے، تاکہ ایک طرف تو روس کو کمزور کیا جائے اور دوسری طرف روس اور یورپ کے درمیان ان معاشی تعلقات کو ختم کیا جائے جو لازمی طور پر سیاسی تعلقات میں ڈھل جاتے ہیں، اور یوں یورپ کو دوبارہ امریکی گود میں واپس لایا جاسکے جو اسے فراہم کی جانے والی عرب گیس کی سپلائی پر قابض ہو گا۔

مزید برآں، یہ خطہ چین کی شاہراہِ ریشم (بیلٹ اینڈ روڈ) کا مقابلہ کرنے کی امریکی حکمتِ عملی کا بھی حصہ ہے، جو چین سے یورپ تک پھیلی ہوئی ہے۔ چنانچہ امریکہ نے اس منصوبے کے مقابلے میں ایک متوازی راستہ بنانے کا فیصلہ کیا ہے جو بھارت سے شروع ہو کر خلیجی ممالک اور اردن سے ہوتا ہوا مقبوضہ فلسطین کے ساحل تک پہنچے گا۔ اس بات کا قوی گمان ہے کہ غزہ کی منظم تباہی، وہاں کے لوگوں کو مخصوص علاقوں سے بے دخل کرنا اور انہیں واپس آنے سے روکنا دراصل

اسی تجارتی راستے کی راہ ہموار کرنے کے مقاصد میں سے ہے، تاکہ اس پورے علاقے کو محفوظ بنایا جاسکے جہاں سے یہ راستہ گزرے گا۔ یہ بات ٹرمپ کے اس بیان سے بالکل مطابقت رکھتی ہے جس میں اس نے غزہ میں "رویرا" (ساحلی تفریحی مقام) جیسی بستی تعمیر کرنے کی بات کی تھی۔ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ غزہ، لبنان اور شام میں مستقبل قریب میں بڑے پیمانے پر تعمیرِ نو کے کام متوقع ہیں۔ امریکہ جیسی مجرم استعماری ریاست کا یہ ایک معروف طریقہ کار رہا ہے کہ جب بھی اس کی کمپنیاں اور مجموعی طور پر اس کی معیشت مالی بحران کا شکار ہوتی ہے، تو وہ تعمیر کے نام پر پہلے تباہی پھیلاتی ہے!

ذرا ماضی کی عراق جنگ کو یاد کریں جب امریکی فوج نے فتح حاصل کرنے اور حکومت کے گرنے کے بعد بھی جان بوجھ کر تباہی پھیلائی۔ کیوں؟ تاکہ عراق کو تعمیرِ نو کی ضرورت پڑے، اور پھر امریکی کمپنیاں وہاں آئیں اور ملک کے تیل کی قیمت سے تعمیرِ نو کے نام پر دولت لوٹ کر لے جائیں۔ امریکہ اور سرمایہ کاری کی خواہشمند بیشتر ریاستوں کے لیے بڑے پیمانے پر ہونے والی تباہی کسی قیمتی خزانے سے کم نہیں ہوتی۔ تباہی جتنی زیادہ ہو گی، تعمیرِ نو کے کام اتنے ہی وسیع ہوں گے۔ اور اب اس کا خرچہ کون اٹھائے گا؟ ہمیشہ کی طرح خلیجی ممالک۔ یہ کھرب بلکہ ٹریلینز (Trillions) ڈالر بٹورنے کا ایک حربہ ہے جو گھوم پھر کر دوبارہ امریکی معیشت میں چلے جاتے ہیں۔ ٹرمپ کے بیانات اس حوالے سے انتہائی واضح اور گستاخانہ تھے جب اس نے غزہ میں "رویرا" جیسے سیاحتی مقام اور جنوبی لبنان میں "ٹرمپ اکنامک زون" کی بات کی تھی، بالکل اسی طرح جیسے شام کے سربراہ جولانی نے بھی بشار کے سقوط کے فوراً بعد دمشق میں "ٹرمپ ٹاور" بنانے کی بات کی تھی!

امریکہ کے ان سرمایہ کاری کے منصوبوں کے لیے خطے میں استحکام کا ہونا لازمی ہے، کیونکہ استحکام کے بغیر سرمایہ کاری ممکن نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ ٹرمپ خطے میں تنازعات کو ختم کرنے اور حکمرانوں کے ذریعے غاصب یہودی وجود کے ساتھ تعلقات کی بحالی (نارملائزیشن) اور اسے تسلیم کروانے کے سلسلے کو تیزی سے آگے بڑھانے میں اس قدر جلد بازی دکھا رہا ہے۔

...جاری ہے

حزب التحریر کے مرکزی میڈیا آفس کے رکن

66 بین الاقوامی تنظیموں سے امریکہ کی دستبرداری: محرکات اور نتائج

تحریر: استاد احمد الخطوانی

(ترجمہ)

جب سے صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اس صدارتی یادداشت پر دستخط کیے ہیں جس کے تحت امریکہ 66 بین الاقوامی تنظیموں سے اس بنیاد پر علیحدگی اختیار کر رہا ہے کہ وہ اب امریکی مفادات کے لیے کارآمد نہیں رہیں، عالمی ادارہ صحت (WHO) کے ڈائریکٹر جنرل ٹیڈروس ایڈہانوم گیبریسس نے منگل کے روز خبردار کیا ہے کہ واشنگٹن کا تنظیم سے علیحدگی کا فیصلہ، جو رواں سال جنوری میں باضابطہ طور پر نافذ العمل ہوا ہے، امریکہ اور پوری دنیا کو غیر محفوظ بنا دے گا۔ ٹیڈروس نے کہا: "حقیقت میں یہ درست فیصلہ نہیں ہے،" اور انہوں نے امید ظاہر کی کہ امریکہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر کے دوبارہ تنظیم

میں شامل ہو جائے گا۔ انہوں نے مزید کہا کہ عالمی ادارہ صحت جو کام انجام دیتا ہے، اس کا ایک بڑا حصہ خود امریکہ کے لیے فائدہ مند ہے، "اسی لیے میں نے کہا ہے کہ عالمی ادارے کے ساتھ مل کر کام کیے بغیر امریکہ محفوظ نہیں رہ سکتا"۔

اس دستبرداری میں 35 ایسی تنظیمیں شامل ہیں جو اقوام متحدہ سے وابستہ نہیں ہیں، جبکہ 31 ادارے اقوام متحدہ کے ماتحت ہیں۔ امریکی وزیر خارجہ مارکو روبیو نے اس یادداشت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: "آج صدر ٹرمپ نے 66 ایسی بین الاقوامی تنظیموں سے امریکہ کی علیحدگی کا اعلان کیا ہے جو امریکہ دشمن ہیں، یا بے فائدہ ہیں، یا وسائل کا ضیاع ہیں، اور ابھی دیگر بین الاقوامی تنظیموں کے بارے میں بھی غور جاری ہے"۔

ان بین الاقوامی تنظیموں کی فہرست جن سے امریکہ الگ ہوا ہے، بہت متنوع ہے: ان میں ماحولیات، توانائی اور ماحول سے متعلق اداروں سے لے کر خواتین اور آبادی کے مسائل سے وابستہ ادارے (جیسے 'یو این ویمن' اور اقوام متحدہ کا آبادیاتی فنڈ) شامل ہیں۔ اسی طرح قانونی تنظیمیں جیسے 'انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ لا آرگنائزیشن'، یا زراعت سے متعلق ادارے جیسے 'کپاس کی بین الاقوامی مشاورتی کمیٹی' اور دیگر کئی مختلف عالمی ادارے اس فہرست کا حصہ ہیں۔

سی این این (CNN) نے وائٹ ہاؤس کے ذرائع کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ اس دستبرداری کے نتیجے میں امریکی ٹیکس دہندگان کی رقم ان اداروں کی فنڈنگ اور شرکت پر خرچ ہونا بند ہو جائے گی جو امریکی ترجیحات کی قیمت پر 'عالمگیریت' (گلوبلائزیشن) کے ایجنڈوں کو فروغ دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ امریکی عوام کے ٹیکسوں کا پیسہ دیگر بہتر طریقوں سے استعمال کرنا زیادہ مناسب ہے۔ یہ دستبرداری صدر ٹرمپ کے امریکیوں سے کیے گئے اس بنیادی وعدے کی تکمیل کرے گی کہ وہ ان عالمی بیوروکریٹس کی پشت پناہی بند کر دیں گے جو ریاست کے مفادات کے خلاف کام کرتے ہیں، اور یہ کہ ٹرمپ انتظامیہ ہمیشہ "امریکہ اور امریکی" کے نعرے کو اولین مقام پر رکھے گی۔

درحقیقت درجنوں بین الاقوامی تنظیموں سے امریکہ کی یہ اچانک اور اجتماعی علیحدگی موجودہ بین الاقوامی ادارے کی عملی اور منظم مسماری کا آغاز ہے، اور اسے نئی اور مختلف بنیادوں پر قائم ہونے والی دیگر بین الاقوامی تنظیموں کی راہ ہموار کرنے کے لیے ایک حقیقی تمہید سمجھا جانا چاہیے۔

مثال کے طور پر، ٹرمپ نے جن تنظیموں سے علیحدگی اختیار کی ہے ان میں وہ ادارے بھی شامل ہیں جن کا تعلق یورپی شراکت داروں سے ہے، جیسے 'یورپی سینٹر آف ایکسی لینس فار کاؤنٹرنگ ہائبرڈ تھریٹس'، 'یورپی نیشنل ہائی وے ریسرچ

لیبارٹریز فورم'، 'اٹلانٹک تعاون کی شراکت داری'، اور کونسل آف یورپ کی 'وینس کمیشن' وغیرہ۔ یہ تمام اقدامات یورپی ممالک کے ساتھ امریکی تعلقات میں ایک واضح کٹاؤ اور علیحدگی کی نشاندہی کرتے ہیں۔

جہاں تک عالمگیریت (گلوبلائزیشن) اور دنیا کے ملکوں کے درمیان مفادات اور تعلقات کے باہمی الجھاؤ کا تعلق ہے، تو امریکہ ہر اس چیز سے الگ ہو گیا ہے جس کا تعلق اس (عالمگیریت)، عالمی تعاون اور بین الاقوامی تعلقات سے ہے، جیسے کہ بین الاقوامی تجارتی مرکز (ITC)، تجارت اور ترقی پر اقوام متحدہ کی کانفرنس (UNCTAD)، انٹرنیٹ پر آزادی کے اتحاد کی تنظیمیں، عالمی برادری کی شمولیت اور لچک کا فنڈ (GCERF)، دہشت گردی کے خلاف عالمی فورم، سائبر مہارت کا عالمی فورم، ہجرت اور ترقی کا عالمی فورم، بین امریکی انسٹی ٹیوٹ برائے عالمی تبدیلی کی تحقیق، کان کنی، معدنیات، دھاتوں اور پائیدار ترقی پر بین الحکومتی فورم، حیاتیاتی تنوع اور ماحولیاتی نظام کی خدمات سے متعلق سائنس اور پالیسی کا بین الحکومتی پلیٹ فارم، اور ثقافتی املاک کے تحفظ اور بحالی کے مطالعہ کا بین الاقوامی مرکز۔

اس طرح امریکہ نے بین الاقوامی نظام کے ساتھ تعاون اور شراکت داری کے تمام رشتے توڑ دیے ہیں، اور اس کے بجائے بین الاقوامی تعلقات میں یکطرفہ یا دوطرفہ تعلقات پر توجہ مرکوز کر لی ہے، اور ان تمام باتوں کو بالائے طاق رکھ دیا ہے جو ملکوں، معاشروں اور اداروں کے درمیان عالمی تعلقات کو قریب لانے کا باعث بنتی ہیں۔

اسی طرح امریکہ نے لاطینی امریکہ، افریقہ اور ایشیا کی مخصوص بین الاقوامی تنظیموں سے بھی علیحدگی اختیار کر لی ہے، جیسے کہ افریقہ کے لیے اقتصادی کمیشن، لاطینی امریکہ اور کیریبین کا اقتصادی کمیشن، ایشیا اور بحر الکاہل کا اقتصادی اور سماجی کمیشن، اور مغربی ایشیا کا اقتصادی اور سماجی کمیشن؛ یہ تمام دستبرداریاں ان تینوں براعظموں یعنی ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے ممالک سے متعلق ہیں، کیونکہ امریکہ پابند کرنے والے بین الاقوامی تعلقات نہیں چاہتا بلکہ وہ ان ممالک کے ساتھ ایسے دوطرفہ تعلقات چاہتا ہے جہاں وہ ان پر براہِ راست قابو پا سکے۔ وہ ان کے ساتھ کثیر جہتی بین الاقوامی تعلقات قائم کرنا نہیں چاہتا۔

یہاں تک کہ وہ مشترکہ مغربی تہذیبی تصورات، جنہیں مغربی تہذیبی نقطہ نظر سے عالمی بنانا مقصود تھا، انہیں بھی امریکہ نے اپنے حساب کتاب سے نکال پھینکا ہے، کیونکہ وہ جمہوریت اور انتخابی امداد کے بین الاقوامی ادارے، بین الاقوامی ادارہ برائے انصاف، اقوام متحدہ کے جمہوریت فنڈ، اقوام متحدہ کے اتحاد برائے تہذیبات، قانون کی حکمرانی کی تنظیم،

اور بین الاقوامی قانون کمیشن سے بھی دستبردار ہو گیا ہے، اور اس طرح امریکہ نے مشترکہ مغربی تہذیبی تصورات کی بیخ کنی کر دی ہے اور اس کے بجائے اپنے مخصوص امریکی ماڈل پر توجہ مرکوز کی ہے۔

یوں اقوام متحدہ کی تنظیمیں، اس کے قوانین، رابطے اور ان کی پاسداری امریکہ کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتے، اور نتیجتاً دنیا کے دیگر ممالک پر بھی ان کی پابندی لازم نہیں رہی؛ امریکہ نے ان سے ان کی لازمی حیثیت چھین لی ہے، ان کی ہیبت ختم کر دی ہے، ان کی خودمختاری کو ٹھیس پہنچائی ہے، ان کی مرجعیت (حوالہ جاتی حیثیت) کو چکنا چور کر دیا ہے اور ان کا قانونی جواز ختم کر دیا ہے۔

اس گراوٹ کے بعد اب دنیا کے ممالک اپنے لیے نئے مراکز، نئی روایات اور نئی تنظیمیں تلاش کر سکتے ہیں، کیونکہ امریکہ نے دنیا کی پہلی طاقت ہونے کے ناطے، جس سے موجودہ بین الاقوامی نظام کے تحفظ کی توقع تھی، اپنی اس دستبرداری کے ذریعے دنیا کے ممالک اور معاشروں کو یہ جواز فراہم کر دیا ہے کہ وہ نئے تہذیبی اور قانونی متبادل اور مراکز کی تلاش شروع کر دیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ آج دنیا کے ممالک اور اقوام کے سامنے اس خلا کو پُر کرنے کے لیے اسلام کے سوا کچھ نہیں، جو اپنے عقیدے، شریعت اور احکامات کے ساتھ موجود ہے، کیونکہ وہ اپنے افکار، نظریات اور اپنی ریاست کے ذریعے متبادل پیش کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے، تاکہ وہ زمین کے تمام معاشروں اور اقوام کے لیے ایک مقبول تہذیبی اور قانونی متبادل اور مرکز بن سکے۔

اسلام کفر کے نظاموں کو گرانے کے لیے آرہا ہے، ان کی زینت بننے کے لیے نہیں

اسلام کا زندہ رہنا اور اس کے خلاف برسرِپیکار نظاموں کے اندر سے بھی اس کا ابھرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہی دینِ حق ہے، اور یہ بلاشبہ ان کے نظاموں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے آرہا ہے نہ کہ ان کی سجاوٹ بننے کے لیے؛ یہ عدل و انصاف کی ریاست یعنی منہاجِ نبوت پر خلافت قائم کرنے کے لیے آرہا ہے، نہ کہ ان کی پارلیمانوں میں داخل ہونے یا ان کے محدود دائرہ کار کو قبول کرنے کے لیے۔

محض اسلام کا ذکر ہی ان کے حساب کتاب گڑبڑا دیتا ہے، ان کے استحکام کو متزلزل کر دیتا ہے اور ان کے پہلے سے بوسیدہ فکری نظام کی جڑوں پر ضرب لگاتا ہے، کیونکہ انہوں نے لوگوں کو اسلام سے دور رکھنے کے لیے بہت کچھ خرچ کیا، مگر اب اسلام خود کو منوا رہا ہے، دلوں کو ہدایت دے رہا ہے، مفاہیم کو تبدیل کر رہا ہے اور لوگوں پر یہ ثابت کر رہا ہے کہ یہی حق ہے اور یہی انسانیت کے لیے امید کی واحد کرن ہے۔

اس فکری اور سیاسی کشمکش کے دوران مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ وہ اس بات کا ادراک کریں کہ نجات کا راستہ کفریہ نظاموں میں رسمی شرکت میں نہیں، بلکہ اس مکمل تبدیلی میں ہے جو ان نظاموں کو بیخ و بن سے اکھاڑ دے۔

اسی لیے آج مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنا بھروسہ اسلام پر رکھیں، نہ کہ ان چہروں پر جو سرمایہ دارانہ نظام کے اندر سے ان کے لیے سجا سنوار کر پیش کیے جاتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ واحد شرعی سیاسی منصوبے کے گرد متحد ہو جائیں، جو حزب التحریر کا منصوبہ ہے، وہ جماعت جو شعور اور بصیرت کے ساتھ دن رات منہاجِ نبوت پر دوسری خلافتِ راشدہ کے قیام کے لیے کوشاں ہے؛ ایک ایسی عظیم الشان ریاست جو اسلام کے مکمل نظام کو نافذ کرے گی اور دعوت و جہاد کے ذریعے اس کے پیغام کو پوری دنیا تک پہنچائے گی۔

جب کرپشن (بدعنوانی) نظامِ حکومت کا ایک آلہ بن جائے، نہ کہ محض ایک انتظامی خرابی!

تحریر: استاد نبیل عبد الکریم

(ترجمہ)

بدعنوانی ہمیشہ ریاست کے کھاتوں کی کوئی غلطی، اس کے انتظامی میکانزم کا کوئی نقص، یا صلاحیتوں کی کمی اور وسائل کی قلت کا نتیجہ نہیں ہوتی، جیسا کہ ریاست اکثر اپنے شہریوں کو قائل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

بعض ممالک میں بدعنوانی خود قانون سے زیادہ منظم، اداروں سے زیادہ فعال اور موجودہ طرزِ حکومت کی نوعیت کا زیادہ سچا اظہار ہوتی ہے۔ وہاں بدعنوانی پردوں کے پیچھے نہیں بلکہ کھلے عام چلائی جاتی ہے، اگرچہ اسے یہ نام نہیں دیا جاتا۔ اسے ایک ایسی خرابی کے طور پر نہیں دیکھا جاتا جس کا علاج کیا جائے، بلکہ اسے حکمرانی کے ایک آلے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے!

سرکاری بیانیے میں، خاص طور پر دوسروں کی پیروکار ریاستوں میں، بدعنوانی کو ایک انتظامی انحراف یا انفرادی رویہ قرار دیا جاتا ہے جو نگرانی کی کمزوری یا قوانین کی خرابی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ تاہم، یہ تعریف عام ہونے کے باوجود اس رجحان کی گہرائی کی وضاحت نہیں کرتی، نہ ہی یہ بتاتی ہے کہ یہ دہائیوں تک کیسے برقرار رہتا ہے، اور نہ ہی اسے ختم کرنے کی اکثر کوششوں کی بار بار ناکامی کی وجہ بیان کرتی ہے۔

یہی وہ حقیقت ہے جو اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ بہت سے نظاموں میں بدعنوانی کوئی اتفاقی خرابی نہیں، بلکہ حکمرانی کا ایک مرکزی آلہ ہے جسے شعوری طور پر چلایا جاتا ہے۔ اسے اشرافیہ کو قابو میں رکھنے، وفاداریوں کی دوبارہ تقسیم، اور اقتدار کی بقا کو یقینی کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

اس تناظر میں یہ سوال پوچھنا درست نہیں کہ "ریاست کیوں ناکام ہوئی؟" بلکہ زیادہ موزوں سوال یہ ہے کہ "ریاست کی ناکامی کے باوجود نظام (Regime) بقا حاصل کرنے میں کیسے کامیاب رہا؟" اور کس طرح عوامی پیسہ خدمت کے ایک ذریعے کے بجائے کنٹرول کا ایک وسیلہ بن گیا، اور ایک انتظامی خرابی سے ایک مکمل طرزِ حکمرانی میں بدل گیا؟

اس بنیاد پر، ریاستوں کو تین اہم اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

کمزور اور پیروکار آمرانہ ریاستیں: جہاں بدعنوانی ایک متوازی نظام، بلکہ حکمرانی کی ریڑھ کی ہڈی بن جاتی ہے۔

مستحکم ریاستیں: یہ عموماً وہ بڑی ریاستیں ہیں جو سرمایہ دارانہ نظام کے تحت انسان ساختہ (وضعی) قانون کے تابع ہوتی ہیں، جہاں بدعنوانی ایک قانونی نظام کے اندر ایک خرابی شمار ہوتی ہے جو اصل میں مہارت کے ساتھ کام کرتی ہے۔

انہی بڑی طاقتوں کی وجہ سے تمام مسلم ممالک بدعنوانی کا شکار ہیں اور اس سے پریشان ہیں۔ بڑی طاقتیں اس بدعنوانی کو برقرار رکھتی ہیں کیونکہ وہ اپنے مفادات کے تحفظ اور حکمرانوں کی اپنی تابعداری یقینی بنانے کے لیے اس سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھاتی ہیں۔

نظریاتی ریاستیں: جو بدعنوانی کی مٹی کو ہی بدل دیتی ہیں، اور اسے سرے سے پنپنے ہی نہیں دیتیں۔

ہم ہر نمونے کا باری باری جائزہ لیں گے۔

پہلا: بدعنوانی، حکمرانی کے آلے سے ایک سیاسی ماحول تک

ریاستوں کی اس قسم میں بدعنوانی پر ایک اخلاقی گناہ کے طور پر بحث نہیں کی جاتی، بلکہ اسے ایک سیاسی انتخاب اور حکمرانی کے ڈھانچے کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ یہ نظام طاقت کے مختلف مراکز: فوجی، معاشی، قبائلی، جماعتی یا فرقہ وارانہ مراکز کے درمیان ایک نازک توازن پر انحصار کرتے ہیں... اور چونکہ ان میں عام طور پر حقیقی ادارہ جاتی جواز کی کمی ہوتی ہے، اس لیے وہ وفاداری کو یقینی بنانے کے لیے بدعنوانی کا سہارا لیتے ہیں۔

عوامی مال پر قبضے، ٹھیکوں پر کنٹرول، اور جوابدہی سے بچنے کی اجازت دی جاتی ہے، لیکن یہ "اجازت" سب کے لیے نہیں ہوتی، بلکہ سیاسی وفاداری سے مشروط ہوتی ہے۔ یہاں بدعنوانی ایک دو دھاری تلوار بن جاتی ہے: وفاداروں کے لیے انعام، اور ان کے لیے بلیک میلنگ کا ایک مستقل آلہ، کیونکہ کسی بھی لمحے ان کی فائلیں کھولی جا سکتی ہیں۔

جہاں تک ان ممالک میں "بدعنوانی کے خاتمے" کی مہمات کا تعلق ہے، تو وہ اکثر اپنے آغاز ہی سے سیاست زدہ ہوتی ہیں۔ وہ نظام کے بجائے افراد کو نشانہ بناتی ہیں، اور خود نظام کے اندرونی جھگڑوں کو نمٹانے کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔ یہ مہمات صرف اس وقت حرکت میں آتی ہیں جب طاقت کا توازن بدل جائے، یا اشرافیہ کی دوبارہ ترتیب کی ضرورت ہو، یا مخصوص فریقوں کو عبرت کا پیغام دینا مقصود ہو۔ اس طرح بدعنوانی کا خاتمہ کسی حقیقی اصلاحی منصوبے کے بجائے محض ایک سیاسی آلے میں بدل جاتا ہے۔

ان ریاستوں میں حاکم اور محکوم کے درمیان تعلق ٹیکسوں اور جوابدہی پر نہیں، بلکہ وسائل کی تقسیم پر مبنی ہوتا ہے۔ بدعنوانی کو خصوصی ٹھیکوں، درآمدی اجارہ داریوں، زمینوں، جائیدادوں اور عہدوں کی شکل میں نوازا جاتا ہے جو اہلیت کے بجائے وفاداری کی بنیاد پر لوٹ مار کے لیے تقسیم کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح حساس اداروں، یعنی سیکورٹی اور فوج (ریاست کا ڈنڈا) کو معاشی مراعات اور جوابدہی سے استثنا دیا جاتا ہے۔ یہ نظام کی غفلت کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ اس لیے ہوتا ہے کیونکہ نظام کی بقا ان اداروں کے مفاد یافتہ رہنے سے وابستہ ہوتی ہے۔

جب حکمراں اشرافیہ کے اندر کوئی اختلاف پیدا ہوتا ہے، تو اچانک سوچے سمجھے انکشافات کے ذریعے بدعنوانی کے "پکے" مقدمات سامنے آجاتے ہیں، جو اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ بدعنوانی معلوم بھی تھی اور قبول بھی، لیکن اب طاقت کے ترازو میں اس شخص کی حیثیت بدل گئی ہے۔ اکثر یہ نظام کسی بڑی طاقت سے جڑے ہوتے ہیں جس کے وہ تابع ہوتے ہیں، اور بین الاقوامی تنازعات کی صورت میں بھی صرف افراد بدلتے ہیں، نظام تبدیل نہیں ہوتا۔

اس نمونے کی نمائندگی بیشتر عرب ممالک، لاطینی امریکہ، ایشیا کے کچھ حصوں اور افریقہ کے اکثر ممالک کرتے ہیں؛ یعنی وہ ریاستیں جو ساختی طور پر دوسروں پر منحصر ہیں۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ "عرب بہار" کے ممالک یا وہ ریاستیں جہاں نظامِ حکومت میں تبدیلی آئی، وہ غالباً اپنے پرانے حالات کی طرف لوٹ گئیں، جیسے کہ مسلم ممالک میں کرپشن کو بطورِ آلۂ حکومت اور غلامی کو ایک اٹل تقدیر بنا کر پیش کرنے کے علاوہ کسی اور نمونے کے نفاذ کی اجازت ہی نہ ہو، اور مغرب اسی بات کا پختہ خواہاں ہے۔ کرپشن پر مبنی نظام بدعنوانی بڑھنے سے نہیں گرتے، بلکہ تب گرتے ہیں جب نظام "مالِ غنیمت" (مراعات) تقسیم کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے، جس سے وفاداریوں کا جال بکھر جاتا ہے اور نظام سے باہر ایک ایسی قوت ابھرتی ہے جسے کرپشن کے ذریعے قابو نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے میں غالب طاقتیں اس لہر پر سوار ہونے اور نئے

چہروں کے ساتھ کرپشن کو دوبارہ جنم دینے کی کوشش کرتی ہیں، سوائے اس صورت کے جب کوئی حقیقی اور جڑ سے تبدیلی آجائے۔

دوسرا: مستحکم ریاستیں

یہ وہ بڑی ریاستیں ہیں جن کا نظامِ حکومت انسان کے بنائے ہوئے قانون پر مبنی ہے۔ ان میں بدعنوانی موجود تو ہے مگر یہ نظام کے اندر ایک انحراف (بگاڑ) کی حیثیت رکھتی ہے، نہ کہ نظام چلانے کے ایک آلے کی۔ ان میں سے اکثر ممالک میں کرپشن بے نقاب ہوتی ہے اور اس کا محاسبہ کیا جاتا ہے، اور نظریاتی طور پر وہاں نہ تو کسی کو مکمل سیاسی تحفظ حاصل ہے اور نہ ہی کوئی قانون سے بالاتر ہے۔ البتہ بڑے مفادات کے معاملے میں اس سے استثنا برتا جاتا ہے، جہاں سیاسی سرمائے، بااثر لابیوں اور سرکاری مقتدرہ سے بالاتر قوتوں (ڈیپ اسٹیٹ) کے ذریعے قانون کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ یہ ممالک کرپشن کو جڑ سے اکھاڑے بغیر اس سے لڑنے کی کوشش کرتے ہیں، کیونکہ یہ بدعنوانی ان مفاہمتوں پر مبنی وضعی قوانین کی تہوں میں رچی بسی رہتی ہے، جو اپنے جوہر میں "آزادیوں" کے نام پر کرپشن کی مختلف اقسام کو قانونی جواز فراہم کرتے ہیں۔ اس کی بنیاد وہ سرمایہ دارانہ اصول ہے جو مذہب کو زندگی سے الگ کرنے اور معاشرے کے مقابلے میں فرد کو فوقیت دینے پر قائم ہے۔

آج ہم مستحکم ریاستوں کے زوال کی شروعات دیکھ رہے ہیں جب سرمایہ داری اپنا مفہوم کھو رہی ہے اور بین الاقوامی قانون پسند و ناپسند (انتقائی) کا شکار ہو گیا ہے۔ یہ ریاستیں تین لازم و ملزوم ستونوں پر کھڑی تھیں، اور اب یہ تمام ستون بوسیدہ ہونا شروع ہو گئے ہیں:

منظم معیشت: جو آج کے دور میں سرمایہ دارانہ اصولوں ہی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی بے پناہ مہنگائی، کساد بازاری اور پے در پے مالیاتی بحرانوں کی وجہ سے تقریباً ختم ہو چکی ہے۔

اندرونی قانون جو ریاست اور معاشرے کے تعلق کو منظم کرے: یہاں ایک ایسی غیر معمولی خلیج پیدا ہو چکی ہے جس نے انتہا پسند دائیں بازو کی جماعتوں کے عروج کا راستہ صاف کر دیا ہے۔

بین الاقوامی قانون کی پاسداری: جس میں واضح کمی آئی ہے، نہ صرف دوسروں پر منحصر ریاستوں کے معاملے میں بلکہ خود مختار ریاستوں کے درمیان بھی، خاص طور پر امریکہ کی بین الاقوامی غنڈہ گردی کے سائے میں، جس نے عالمی قانون کو بدترین حال میں پہنچا دیا ہے۔

جب ریاستیں اس نظام سے اپنی وابستگی کھونے لگتی ہیں، تو وہ اچانک نہیں گرتیں بلکہ سست رفتار زوال کا شکار ہو جاتی ہیں، یہاں تک کہ وہ نام کی تو خود مختار رہتی ہیں مگر حقیقت میں کھوکھلی اور عملی طور پر تنہا ہو جاتی ہیں۔

تیسرا: نظریاتی ریاست

یہ وہ ریاست ہے جو کرپشن کی مٹی ہی بدل دیتی ہے، اور اسے سرے سے اگنے ہی نہیں دیتی۔ یہ ریاست اپنی مکمل شکل میں آج عالمی منظر نامے پر موجود نہیں، لیکن کچھ لوگ اسے دوبارہ قائم کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ ان شاء اللہ، مستقبلِ قریب میں یہ ظہور پذیر ہو کر دنیا کو دکھائے گی کہ اصل حل اسی کے وجود میں چھپا تھا۔ یہ "خلافت" کی ریاست ہے جو اسلامی اصولوں کو اپنا دستور بناتی ہے، کیونکہ اسلام ایک عقلی عقیدہ ہے جس سے ایک ربانی نظام جنم لیتا ہے۔

اسلام تو کرپشن کے وجود کی ہی اجازت نہیں دیتا، پھر اسے آلۂ حکومت بنانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ انسانی غلطی کے طور پر کرپشن کے سرزد ہونے اور اسے قانونی شکل دینے یا شعوری طور پر اپنانے میں بہت بڑا فرق ہے۔ اسلامی نظریے میں کرپشن ایک شرعی جرم ہے جس پر انسان سے آخرت میں بھی باز پرس ہو گی اور دنیا میں ریاست بھی اس کا محاسبہ کرے گی۔ یہ محض مال تک محدود نہیں بلکہ ظلم، عدل کی پامالی، لوگوں کے حقوق غصب کرنے اور اقتدار کو مالِ غنیمت سمجھنے کا نام ہے۔

اسلام میں اقتدار ایک امانت ہے، کوئی استحقاق یا مراعات نہیں، اور وہاں "سیاسی کرپشن" جیسی کسی چیز کا کوئی وجود نہیں، کیونکہ حاکم، خواہ وہ خلیفہ ہو یا والی، اس کا محاسبہ کیا جاتا ہے، اس سے سوال ہوتا ہے اور اسے معزول بھی کیا جا سکتا ہے۔

لہٰذا، اسلامی ریاست انسانی خطا سے پاک ہونے کا دعویٰ نہیں کرتی، لیکن وہ ایک ایسے طرزِ حکومت کی بنیاد رکھتی ہے جو کرپشن سے کبھی سمجھوتہ نہیں کرتا، اور جس کی بنیاد عوام کے معاملات کی نگہبانی اور ان شرعی احکام کے نفاذ پر ہے جو انسان کے اپنے نفس، اپنے رب اور دوسروں کے ساتھ تعلقات کو منظم کرتے ہیں۔

جب اس منہج کو زندگی کے طور طریقے کے طور پر اپنا لیا جائے گا، تو زندگی سنور جائے گی اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہو گا، کیونکہ یہی دین اکیلا اس بات پر قادر ہے کہ بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر ربِ کائنات کی بندگی میں لے آئے، اور باطل نظاموں کے جبر سے نکال کر اسلام کے عدل اور اس کے نور کی طرف لے جائے۔

یہودیوں کے ساتھ نارملائزیشن (تعلقات کی بحالی) کی راہ ہموار کرنے میں اردوغان کے ترکی کا عملی کردار

تحریر: استاد مؤنس حمید–ولایہ عراق

(ترجمہ)

یہودیوں کے ساتھ تعلقات کی بحالی (نارملائزیشن) اب کوئی اچانک پیش آنے والا واقعہ یا سیاسی منظر نامے میں کوئی استثنیٰ نہیں رہا، بلکہ یہ ایک ایسے راستے میں بدل چکا ہے جسے بڑی مہارت سے چلایا جا رہا ہے۔ اس میں عالمی قوتوں اور علاقائی ممالک کے درمیان کردار تقسیم کیے گئے ہیں، اور عوامی شعور کی نئی تشکیل اور اخلاقی و سیاسی مزاحمت کو ختم کرنے کے لیے "نرم ذرائع" (soft tools) کا استعمال کیا جا رہا ہے۔

اس تناظر میں ترکی کا کردار سب سے زیادہ پیچیدہ اور الجھن زدہ بن کر ابھرتا ہے۔ اس لیے نہیں کہ وہ اس نارملائزیشن منصوبے کا قائد ہے، بلکہ اس لیے کہ وہ اسے سہل بنانے اور نہایت چالاکی سے اسے ہضم کروانے کا خبیثانہ فریضہ انجام دے رہا ہے۔

اردوغان اپنے سیاسی اور میڈیا بیانیے میں خود کو فلسطینی کاز کے حامی اور یہودیوں کی جارحیت کے مخالف کے طور پر پیش کرتا ہے، اورالقدس و غزہ کے دفاع میں انتہائی جذباتی زبان استعمال کرتا ہے۔ لیکن جب اس بیانیے کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ترکی کے یہودیوں کے ساتھ مکمل سفارتی تعلقات قائم ہیں، ان کے تجارتی روابط میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، اور حساس علاقائی معاملات میں سیکیورٹی کا بھرپور تعاون بھی جاری ہے۔

بیانیے اور عمل کے درمیان اس تضاد کو محض ایک عارضی منافقت قرار دے کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، بلکہ یہ ایک سوچی سمجھی پالیسی ہے جس کا مقصد مسلمانوں کے عوامی غصے کو ٹھنڈا کرنا اور علاقائی و عالمی نظام میں اپنی جگہ برقرار رکھنا ہے۔ ترکی کے کردار کی سنگینی یہیں چھپی ہے: یعنی صدمے کے بغیر تعلقات کی بحالی، اور بغیر اعلان کے دستبرداری۔

شامی میدان ترکی کی اس پالیسی سے سب سے زیادہ متاثر ہونے والے علاقوں میں سے ایک ہے، کیونکہ وہاں ترکی کی فوجی موجودگی ہے، شمالی شام کے وسیع علاقوں پر اس کا کنٹرول ہے، مسلح گروہوں پر اثر و رسوخ ہے، اور مہاجرین، معیشت اور سرحدی راستوں کے معاملات اس کے ہاتھ میں ہیں۔ اس تناظر میں، اردوغان شامیوں کو براہ راست یہودیوں کے ساتھ تعلقات کی بحالی کی طرف نہیں دھکیل رہا، بلکہ انہیں ایک طویل اور زیادہ مؤثر راستے پر ڈال رہا ہے جس کی بنیاد "تھکا دینے" اور "ترجیحات کی تبدیلی" پر ہے، تاکہ شامی شعور کی بتدریج ایسی تشکیلِ نو کی جائے کہ ان کے لیے روزمرہ کے معاشی مسائل بڑے نظریاتی مقاصد پر مقدم ہو جائیں۔

ترکی تعلقات کی بحالی کے اس عمل میں ایک خاص کردار ادا کر رہا ہے، جس سے وہ انکار کرنے والے عوام اور تعلقات بحال کرنے والی حکومتوں کے درمیان ایک پُل کا کام دیتا ہے۔ وہ ایک ایسے نفسیاتی ثالث کے طور پر سامنے آتا ہے جو صدمے کی شدت کو کم کرتا ہے، اور براہ راست تصادم کے بغیر اسلامی شعور کو قابو میں رکھنے کا ذریعہ بنتا ہے، کیونکہ وہ خود اس منصوبے کی قیادت نہیں کرتا، بلکہ اسے کم سے کم سیاسی قیمت پر آگے بڑھانے میں مدد دیتا ہے۔

تعلقات کی بحالی کی سب سے خطرناک شکل وہ نہیں ہے جو فوجی طاقت سے مسلط کی جائے، بلکہ وہ ہے جسے "حقیقت پسندی" کے نام پر منظور کروایا جائے، مفادات کی زبان میں لپیٹا جائے، اور عوام کو اتنا تھکا دینے کے بعد پیش کیا جائے کہ

وہ تبدیلی کی امید ہی کھو بیٹھیں۔ اس فریم ورک میں ترکی کا کردار اس چیز کا نمونہ ہے جسے "خاموش نارملائزیشن" کہا جا سکتا ہے۔ وہ عمل جو قبولیت کا اعلان کیے بغیر انکار کو ختم کر دے۔

جو نارملائزیشن حقیقت پسندی کے نام پر بیچی جا رہی ہے، وہ دراصل ایک "تاخیری ہتھیار ڈالنا" ہے۔ لہٰذا، اس راستے پر خاموشی کوئی غیر جانبداری نہیں ہے، اور اس پر چپ رہنا کوئی دانشمندی نہیں، بلکہ یہ اس معاملے کو ختم کرنے اور یہودیوں کی ضرورت کے مطابق خطے کی دوبارہ انجینئرنگ میں بالواسطہ شراکت داری ہے۔ یہودیوں کے ساتھ تعلقات کی بحالی کوئی عارضی سیاسی مسئلہ یا مفادات کے ترازو میں تلا جانے والا کوئی سٹریٹیجک انتخاب نہیں ہے، بلکہ یہ اپنی اصل میں ایک نظریاتی اور اخلاقی موقف ہے؛ کیونکہ فلسطین صرف سرحدی تنازعہ کی زمین نہیں، بلکہ ایک غصب شدہ اسلامی سرزمین ہے، اور یہودیوں کا وجود کوئی عام ریاست نہیں بلکہ غصب، جارحیت اور وعدہ خلافیوں پر قائم ایک جتھہ ہے۔

اس پورے راستے کی سب سے خطرناک بات اسے ایک ایسے مذاکراتی معاملے میں بدلنا ہے جو "مفاد پرستی" (pragmatism) کے تابع ہو، جو کہ اسلام کے ان مسلمہ اصولوں کے خلاف ہے جو ظلم اور قبضے کے خلاف موقف کو "ولاء اور براء" (محبت و بیزاری) کا حصہ قرار دیتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مقتضیات کے بھی خلاف ہے:

﴿وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ﴾ "اور ان لوگوں کی طرف نہ جھکنا جنہوں نے ظلم کیا، ورنہ تمہیں آگ چھو لے گی، اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا، پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی" (سورۃ ھود، آیت 113)

نارملائزیشن محض کسی معاہدے پر دستخط کا نام نہیں، بلکہ یہ حق اور باطل کی نئی تعریف کرنے کا نام ہے۔ اور جو اصطلاحات اور تعریف کی جنگ ہار جاتا ہے، وہ زمین کی جنگ ہارنے سے پہلے شعور کی جنگ ہار جاتا ہے۔

اے امتِ مسلمہ کے لوگو! جو کچھ تمہارے گرد ہو رہا ہے وہ کوئی عارضی واقعہ نہیں بلکہ ایسی پالیسیاں ہیں جو تمہارے خلاف ترتیب دی جا رہی ہیں اور تم ہی ان کا نشانہ ہو۔ شعور کوئی علمی عیاشی نہیں، بلکہ ایک ایسا فریضہ ہے جو دین کی حفاظت اور عزت و وقار کا ضامن ہے۔ پہچانیں کہ آپ کے خلاف کیا منصوبہ بندی کی جا رہی ہے، حق اور باطل کے درمیان تمیز کریں، اور ان لوگوں کے ہاتھ میں آلہ کار نہ بنیں جو گمراہ کرتے ہیں یا آپ کا استحصال کرتے ہیں۔

جزیرہ گرین لینڈ اور ٹرانس ایٹلانٹک تعلقات

تحریر: استاد حسن حمدان

(ترجمہ)

جزیرہ گرین لینڈ زمین کے انتہائی شمال میں کبھی بھی محض ایک خاموش برفانی تودہ نہیں رہا، بلکہ یہ ہمیشہ سے ہی بڑی طاقتوں کے درمیان ایک عظیم کھیل کا مرکز رہا ہے۔ اور آج، امریکی صدر ٹرمپ ایک صدی پرانی خواہشات کو دوبارہ زندہ کر رہا ہے، جس سے قطبی خاموشی سیاسی شور و غل اور ارادوں کی جنگ میں بدل رہی ہے۔ چنانچہ ڈیوس معاہدوں، چینی عزائم اور "بوڑھے براعظم" (یورپ) کی کمزوری کے درمیان یہ سوالات جنم لے رہے ہیں کہ: کیا گرین لینڈ کے ڈنمارک کے زیرِ اثر سے نکل کر ایک نئی امریکی ریاست بننے کا وقت قریب آگیا ہے، یا یہ آنے والی سرد جنگ کا میدان بنا رہے گا؟

ٹرمپ نے 22 جنوری 2026 کو اعلان کیا کہ اس نے سوئٹزر لینڈ میں ورلڈ اکنامک فورم کے موقع پر نیٹو کے سیکرٹری جنرل مارک روٹ کے ساتھ جزیرہ گرین لینڈ اور پورے قطب شمالی کے خطے کے حوالے سے ایک "معاہدے کے فریم ورک" پر اتفاق کر لیا ہے۔ اس کے بعد اس نے یورپی ممالک پر یکم فروری سے لگائے جانے والے اضافی محصولات کو واپس لینے کا اعلان کیا، جسے اس معاملے میں یورپ کی جانب سے مراعات دینے کے بعد "خیر سگالی" کے جذبے کے طور پر دیکھا جا رہا ہے۔

اس تنازع کی نوعیت کو سمجھنے کے لیے اس جزیرے کے حقائق کو جاننا ضروری ہے؛ یہ دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ ہے، جس کے تقریباً 80 فیصد رقبے پر برف اور گلیشیئرز پھیلے ہوئے ہیں۔ برف سے پاک علاقہ تقریباً سویڈن کے رقبے کے برابر ہے، لیکن اس کا بہت ہی چھوٹا حصہ زراعت کے قابل ہے۔

• کل رقبہ: 2,166,086 مربع کلومیٹر

• اندرونی برف اور گلیشیئرز: 1,755,637 مربع کلومیٹر

• برف سے پاک رقبہ: 410,449 مربع کلومیٹر اور ساحلی پٹی کی لمبائی: 44,087 کلومیٹر

• گرین لینڈ کی آبادی تقریباً 56,500 افراد پر مشتمل ہے، جس کا تقریباً ایک تہائی حصہ (19,900) دارالحکومت 'نوک' میں رہتا ہے۔

جزیرہ گرین لینڈ میں امریکہ کی دلچسپی انیسویں صدی سے شروع ہوئی، اور اس نے کئی بار اسے ڈنمارک سے خریدنے کی کوشش کی، بالکل اسی طرح جیسے 1917 میں اس نے ڈینش ویسٹ انڈیز کے جزائر خریدے تھے۔ یہ موضوع مختلف سالوں میں امریکی سیاسی ایوانوں کی توجہ کا مرکز رہا، جن میں نمایاں طور پر 1867، 1910، 1946، 1955، 2019 اور 2025 شامل ہیں۔ امریکی حکام، جیسے وزرائے خارجہ ولیم ایچ سیورڈ اور جیمز برنز، نائب صدر نیلسن راکفیلر، اور بالآخر صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اپنی پہلی مدتِ صدارت (2019) میں اس جزیرے کو حاصل کرنے کی وکالت کی، اور پھر 2024 میں دوبارہ منتخب ہونے کے بعد امریکی اثر و رسوخ بڑھانے کے لیے اس معاملے کو دوبارہ اٹھایا۔

لہٰذا یہ معاملہ صرف حال ہی میں دریافت ہونے والی معدنیات اور پیٹرول تک محدود نہیں ہے، بلکہ یہ معاملہ اس کے جغرافیائی اسٹریٹجک محلِ وقوع سے جڑا ہوا ہے جسے ٹرمپ انتظامیہ امریکی قومی سلامتی کا ایک اہم اور ناگزیر حصہ سمجھتی ہے۔

امریکہ کے اس جزیرے کے ساتھ تعلقات کو سمجھنے کے لیے خبروں میں گرین لینڈ میں اس کی قدیم اور مضبوط فوجی موجودگی کا ذکر کیا گیا ہے، جو 'پٹوفک-تھول' بیس اور قبل از وقت وارننگ دینے والے ریڈاروں کی صورت میں موجود ہے۔ اس تعلق کی جڑیں 1941 تک جاتی ہیں، جب (Thulsag1) معاہدے کے تحت نازی حملوں کے خوف سے گرین لینڈ کے دفاع کے لیے امریکی فوجی حکام کو اختیارات دیے گئے تھے۔ پچاس کی دہائی میں معاملات مزید آگے بڑھے اور یہ جزیرہ جوہری ہتھیاروں سے لیس فضائی دفاعی نظام کا مرکز بن گیا، جس نے امریکہ کو وہاں زمین، فضا اور سمندر میں کام کرنے کی مکمل آزادی فراہم کر دی۔

چنانچہ 27 اپریل 1951 کو امریکہ کے ساتھ ایک معاہدے (Thulsag1) پر دستخط کیے گئے، جس کا مقصد نیٹو کے فریم ورک کے تحت گرین لینڈ کے دفاع میں ڈنمارک کی مدد کرنا تھا۔ نارسارسواک (Narsarsuaq) کے فوجی فضائی اڈے کو ڈنمارک اور امریکہ کی مشترکہ بیس میں تبدیل کر دیا گیا۔ 1953 کے آخر میں امریکہ نے کانجرلوسواک (Kangerlussuaq) کے فوجی اڈے سے 140 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک موسمیاتی اسٹیشن قائم کیا۔ امریکی افواج نے یہ اسٹیشن ڈنمارک کی اطلاع یا اجازت کے بغیر ہی تعمیر کر لیا تھا۔ 15 مارچ 1954 کو تھول (Thule) ایئر بیس کی توسیع کا آغاز ہوا، جس میں نئی نسل کے فضائی دفاعی نظام کی تنصیب بھی شامل تھی جو ایٹمی ہتھیاروں سے لیس تھا۔

25 نومبر 2008 کو گرین لینڈ میں خود مختاری کے قانون پر ریفرنڈم ہوا، جس میں 75.5 فیصد کی بھاری اکثریت نے وسیع تر خود مختاری کے حق میں ووٹ دیا۔ اس قانون کو مستقبل میں ڈنمارک سے مکمل آزادی کی جانب ایک قدم کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ 21 جون 2009 کو خود مختاری کے حوالے سے ایک وسیع تر معاہدہ نافذ العمل ہوا۔ اس کے تحت صرف خارجہ اور دفاعی پالیسی ہی ڈنمارک کی ذمہ داری میں باقی رہی۔ جبکہ گرین لینڈ کی حکومت نے پولیس، انصاف اور ساحلی تحفظ (کوسٹ گارڈ) کی ذمہ داریاں سنبھال لیں، جن میں بحری امور پر اثر انداز ہونے والے درج ذیل نکات شامل ہیں:

- گرین لینڈ کی حکومت کو اپنے خارجہ امور کے فیصلے کرنے میں کافی حد تک آزادی حاصل ہو جائے گی۔
- خارجہ پالیسی کے بہت سے پہلو اب ڈنمارک کی پالیسی کے پابند نہیں رہیں گے۔

- گرین لینڈ کے عسکری کوسٹ گارڈ کا کنٹرول گرین لینڈ کی حکومت کو منتقل کر دیا جائے گا۔

ان اقدامات نے جزیرے کا ڈنمارک کے ساتھ تعلق کمزور کر دیا اور چین جیسی دیگر طاقتوں کو ترغیب دی جس نے اس خطے کو "نئی اسٹریٹجک سرحد" قرار دیا ہے۔ چین سائنسی تحقیق کی آڑ میں قطب شمالی میں بین الاقوامی قوانین کی تشکیل کی کوشش کر رہا ہے، جسے ماہرین طویل مدتی سکیورٹی مفادات کا ایک پردہ قرار دیتے ہیں۔ برلن میں قائم 'مرکیٹر انسٹی ٹیوٹ فار چائینیز اسٹڈیز' کی تجزیہ کار ہیلینا لیگارڈا کا کہنا ہے: "چین کے معاشی مفادات کو اس کے تزویراتی (اسٹریٹجک) یا سکیورٹی مفادات سے الگ کرنا بہت مشکل ہے، کیونکہ یہ سب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں"۔

ہیلسنکی میں فن لینڈ کی نیشنل ڈیفنس یونیورسٹی کے ایسوسی ایٹ پروفیسر میٹی پورانین نے کہا: "وہ پہلے معاشی، سائنسی اور سفارتی ذرائع سے اپنی موجودگی کو وسعت دینا چاہتے ہیں، اور پھر مستقبل میں، وہ یہ دلیل دے سکتے ہیں کہ انہیں ان مفادات کے تحفظ کے لیے خطے میں اپنا فوجی اثر و رسوخ بڑھانے کی ضرورت ہے"۔

چینی عزائم کے ساتھ ساتھ، روس جوہری ایندھن سے چلنے والے برف شکن بحری جہازوں (icebreakers) کے سب سے بڑے بیڑے کے ساتھ ایک غالب قطبی کھلاڑی کے طور پر سامنے ہے، جسے ٹرمپ ایک براہِ راست خطرہ سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قطب شمالی میں روسی تسلط کو توڑنے کے لیے گرین لینڈ پر کنٹرول ایک فوجی ضرورت بن گیا ہے۔

لہٰذا، یہ معاملہ طاقت کے بل بوتے پر اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے کی ٹرمپ کی حکمت عملی سے متعلق ہے۔ اگر اس نے موجودہ مراعات کو عبوری اہداف کے طور پر قبول کر بھی لیا ہے، تب بھی وہ یورپی یونین کی کمزوری (جس کی آزادانہ دفاعی صلاحیتوں کی ناکامی یوکرین کے تجربے سے ثابت ہو چکی ہے) کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مکمل کنٹرول کی منصوبہ بندی کر رہا ہے۔ داخلی طور پر، نومبر 2026 میں ہونے والے کانگریس کے وسط مدتی انتخابات کے قریب آتے ہی، ٹرمپ کو اپنے انتخابی حامیوں کا جوش و جذبہ بڑھانے کے لیے بڑے ایشوز کی ضرورت ہے، جو اپنے لیڈر کو ایک ایسے "تاریخی سودے باز" کے طور پر دیکھ کر نہال ہوتے ہیں جو امریکہ کو اس کی مطلق طاقت واپس دلا رہا ہے۔

خلاصہ: ایسا لگتا ہے کہ گرین لینڈ اب محض ایک جزیرہ نہیں رہا، بلکہ بین الاقوامی قوتوں کے توازن کا ایک پیمانہ بن گیا ہے۔ اگر ٹرمپ اپنے وژن کو نافذ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، تو وہ نہ صرف اس خطے کا جغرافیہ بدل دے گا، بلکہ باضابطہ طور پر روایتی ٹرانس اٹلانٹک شراکت داری کے خاتمے اور شمال کی دولت اور گزرگاہوں پر مکمل "امریکی سرپرستی" کے دور کا آغاز کر دے گا۔

ازبک حکومت غزہ پر قبضے کے لیے بنائی گئی کونسل میں شامل ہو گئی

ازبکستان کے صدر کے ترجمان شیر زود اسادوف نے ایک بانی رکن کے طور پر کونسل میں شمولیت کے لیے ٹرمپ کی پیشکش قبول کرنے کا اعلان کیا ہے۔ صدر میر ضیایوف نے ٹرمپ کے نام اپنے پیغام میں اس اقدام کو "مشرقِ وسطیٰ کے دیرینہ تنازعات کے حل اور مجموعی طور پر خطے میں امن و استحکام کو یقینی بنانے کی جانب ایک اہم قدم" قرار دیا ہے۔

الرایہ: اگرچہ ازبک حکومت اپنی سرکاری پالیسی میں "غیر جانبدارانہ اور متوازن خارجہ پالیسی" کا راگ الاپتی ہے، لیکن اس کے باوجود امریکہ کے بنائے ہوئے ایک ایسے ڈھانچے میں اس کی شمولیت، جس کا گہرا تعلق یہودی وجود کے مفادات سے ہے، عملی طور پر غیر جانبداری سے دستبرداری کے مترادف ہے۔ "امن کونسل" کی رکنیت اسے مشرقِ وسطیٰ میں امریکی پالیسی، بالخصوص غزہ میں کیے جانے والے جرائم میں براہِ راست شریکِ کار بنا دیتی ہے۔ یہ فیصلہ ریاست پر سنگین سیاسی، مالی بلکہ فوجی ذمہ داریاں بھی عائد کر دے گا، جن میں درج ذیل شامل ہیں:

۱- سفارتی تعاون: کونسل کی سرگرمیوں کو فروغ دینا اور دیگر ممالک کو اس میں شامل کرنا۔ اس کی بنا پر ازبکستان کو عالمی سطح پر کونسل کی سرگرمیوں کی حمایت کرنی ہوگی، اسے قانونی جواز فراہم کرنا ہوگا اور اس ڈھانچے میں دیگر ممالک کو شامل کرنے کے لیے مؤثر سفارتی اقدامات کرنے ہوں گے۔ اس کا عملی مطلب امریکی اقدامات کا مددگار بن جانا ہے۔

۲- مالی وابستگی: منصوبے کے مطابق، کونسل غزہ کی تعمیرِ نو کے لیے بین الاقوامی فنڈز قائم کرے گی۔ اس کونسل میں مستقل نشست حاصل کرنے کی لاگت ایک ارب امریکی ڈالر ہوگی۔ اندرونی مسائل کا شکار ملک کے لیے یہ ایک بھاری مالی بوجھ ہے۔

۳- فوجی اور حفاظتی ذمہ داریاں: کونسل کے ارکان کو غزہ کو غیر مسلح کرنے اور وہاں امن و سلامتی کو یقینی بنانے کے بہانے اپنی افواج بھیجنے پر مجبور کیا جائے گا۔ یہ عمل ازبکستان کے براہِ راست عسکری اور سیاسی تنازعات کی دلدل میں پھنسنے کے خطرے کو بڑھا دے گا۔

مسئلہ غزہ کا عملی حل ایک ایسی سیاسی قوت کا تقاضا کرتا ہے جو ارضِ مبارک سے یہودی وجود کی بساط لپیٹنے اور مسلم ممالک کے پیچھے کھڑی طاقتوں کو نکال باہر کرنے کی اہل ہو۔ یہ طاقت 'خلافت' ہے؛ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اسے منہاجِ نبوت پر دوبارہ قائم کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔

ان شاء اللہ جلد ہی قیامِ خلافت کی صورت میں امتِ مسلمہ کا کیا مستقبل ہو گا؟

ان شاء اللہ جلد ہی قیامِ خلافت کی صورت میں امتِ مسلمہ کا جو مستقبل منتظر ہے، وہ کوئی ناممکن خواب یا محض تاریخی تخیل نہیں، بلکہ ایک ربانی وعدہ اور ایک تاریخی سنت ہے۔ خلافت کے قیام کے ساتھ ہی امت کی سیاسی وحدت بحال ہو جائے گی، مصنوعی سرحدیں مٹ جائیں گی اور تمام مسلمان ایک ہی جھنڈے تلے اکٹھے ہو جائیں گے، اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق حکمرانی ہو گی جس سے عدل و انصاف کا بول بالا ہو گا، حقوق کا تحفظ کیا جائے گا، دولت کی تقسیم منصفانہ ہو گی اور امت کے وسائل و مقدرات نوآبادیاتی طاقتوں کے بجائے خود اس کے شہریوں کے مفاد میں استعمال ہوں گے۔

خلافت کے قیام سے امت اپنی بین الاقوامی ساکھ اور مقام دوبارہ حاصل کر لے گی، وہ کسی ظالم عالمی نظام کی تابع بن کر نہیں، بلکہ ایک ایسی عظیم ریاست کے طور پر ابھرے گی جو عدل و رحمت پر مبنی ایک متبادل تہذیبی منصوبہ رکھتی ہو، اور

جو پوری انسانیت کو اسلام کے ذریعے مخاطب کرے، جبر و استحصال کے ذریعے نہیں بلکہ دعوت اور دلیل و حجت کے ذریعے۔

اور ان سب باتوں سے بڑھ کر یہ کہ خلافت کا قیام محض بہت سے سیاسی اختیارات میں سے ایک اختیار نہیں ہے، اور نہ ہی یہ کوئی ایسا فکری منصوبہ ہے جسے رد یا قبول کیا جا سکے، بلکہ یہ پوری امت پر ایک فرضِ شرعی ہے، جسے ترک کرنے پر پوری امت گناہ گار ہے اور اللہ جلّ وعلا کے ہاں اس کا حساب ہو گا۔ امت کا اپنی پوری تاریخ میں اس بات پر اجماع رہا ہے کہ خلیفہ کا تقرر واجب ہے اور اس فرض کو معطل رکھنا ایک بہت بڑی معصیت (گناہ) ہے۔ خلافت کی عدم موجودگی پر ایک صدی سے زائد کا عرصہ بیت جانے سے اس کے ترک کا گناہ ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ یہ ذمہ داری کو مزید سنگین بنا دیتا ہے اور روزِ قیامت اس سوال کو مزید کڑا کر دیتا ہے کہ: تم نے متبادلات پر کیوں سمجھوتہ کیا اور اللہ کے حکم کی معطلی پر کیوں خاموش رہے؟

لہٰذا ہم اس بات پر زور دیتے ہیں کہ خلافت کے قیام کے لیے جدوجہد کرنا وقت کا سب سے اہم فرض ہے، اور یہ ایک اصولی سیاسی و فکری کام ہے جس کا مقصد اسلام کو دوبارہ زندگی کے مرکز میں واپس لانا، اس فرض کے بارے میں ایک آگاہ اور بیدار عوامی رائے عامہ پیدا کرنا، اور امت کے اہل قوت و طاقت سے نصرت طلب کرنا ہے، بالکل اسی طرح جیسے رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ریاست قائم کرتے وقت کیا تھا۔